دیال
ماہ ڈسمبر سنہ ۱۹۶۱ء
جنوری، فروری سنہ ۱۹۶۲ء

اُپنشد سار

واج سنئی سنہتا اُپنشد

نہایت آسان بیان۔ سلیس زبان۔ عام فہم طریقہ اور دلچسپ پیرایہ میں

حقیقت کی صاف صاف سارے باتیں بغیر کسی اور عایت کے قلم بند کی گئی ہیں۔

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چون آئینہ داشتن

انسانِ کامل
مہرشی شیوبرت لال ورمن ایم اے

قیمت ۱۲/
دوسری بار (۵۰۰)
اشاعت کردہ
9-P
شیو ساہتیہ پرکاشن منڈل رادھا سوامی ست سنگ چنگڈہ (ورنگل)

پرارتھنا

داتا دیال ستگورُ اے سُرب شکتی والے
تیری شرن میں آیا ہے مجھ کو اب بچا لے
نہ مجھ سا پتت کوئی نہ تجھ سا ست پاون
بگڑی میری بنا دے کون مجھ کو اب سنبھالے
میری پھنسی ہے نیا منجھدار میں دیالا
یہ زندگی ہے تیری اور تیرے ہے حوالے
نہیں آسرا کسی کا ایک آس تیری باقی
دے کر سہارا مجھ کو کر دینا اب کنارے
گورُو دیو رادھا سوامی تیری شرن پڑا ہوں
مجھ کو اب بچالے تیرے پڑا ہے پالے

"رادھاسوامی سہائے"

تعظیمی یادگاریں

حضور معلّٰی مقدس رائے شالگرام صاحب بہادر رادھاسوامی دیال

کے

نہایت

پوتر چرن کمل میں نہایت دینتا۔ نمرتا اور ادب کے ساتھ

سمرپن

سیوکوں میں سب سے ادنےٰ

شیوبرت لال

اُپ نشد سار

دیباچہ

اُپ نشد ہندو فلسفہ کی سب سے پرانی کتابیں ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دُنیا کے فلسفہ میں سب سے قدیم ہیں تو شاید ایسا کہنا کبھی غلط نہ ہوگا۔ ان کی جڑ ویدوں میں ہے۔

یہ کب سے ہیں؟ اس کا ٹھیک ٹھیک پتہ بتانا مشکل ہے۔ تاہم اس میں کچھ کلام نہیں ہے کہ بودھ دھرم سے بہت پہلے اُن کا بھارت ورش میں کافی رواج تھا۔ اُن کے خیالات اس طریق کی کتابوں میں اکثر ملتے ہیں اسی طرح وہ ہندوؤں کے کھٹ درشن سے بھی بہت قدیم تر ہیں۔

کھٹ درشنوں میں سے سانکھیہ فلسفہ اپنے خیالات اُپ نشدوں سے ہی مستعار لیا ہے اور اُن ہی کے موافق اپنے فلسفہ کی ترتیب بھی دی ہے۔ بودھ مذہب اور جین مذہب دونوں ہی کے اُصول بھی اُپ نشدوں ہی کے زیرِ بار احسان ہیں۔ جب اُن کی یہ کیفیت ہے

تو جن جن مذاہب کی اختراع اور ایجاد بعد میں عمل میں آئی ہو وہ کس طرح اُن کے اثرات سے خالی رہ سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ سب کے سب اُپ نشدوں کی قدامت حیثیت اور اہمیت کے سامنے اپنی تعظیم کے سر کو خم کرتے ہیں۔

بعد کو ویدانت آیا۔ یہ ہندوؤں کے پانچ درشنوں کے بعد ظاہر ہوا۔ اُس کی بنیاد کپل رشی پہلے ہی سے اپنے سانکھ مت کے ذریعہ ڈال چکے تھے۔ ویاس رشی نے اُس پر ویدانت کی عالی شان عمارت اور اُس کی دیواریں چھت کے ساتھ قایم کیں۔ ویاس جی کی زندگی کا زمانہ بھی تحقیقات طلب مضمون ہو گیا ہے۔ کیوں کہ تمام پُوران اور اُپ پُوران ویدوں کی ترتیب کے سوا، اُن ہی کی ذات سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی معمولی ذہانت کا آدمی بھی پتہ لگا سکتا ہے کہ برہمہ سوتر کے مصنف ویاس جی ہی تھے۔ ویدانت کے خیالات قریب قریب ہندوؤں کے تمام مذہبی تعلیم میں محیط کل ہو گئے ہیں اور اُس نے ہی اُپ نشدوں کو خاص مقدس کتابوں کی حیثیت عطا کی ہے۔ جسکی وجہ سے اِن کی شہرت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ویدوں کے بعد ان کی تعلیم کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا ہے۔ ویدوں کو ہندو مذہب میں سب کے پہلے جگہ دی جاتی ہے۔ لیکن وہ مقدس کتابیں شروع ہی سے معدودے چند آدمیوں کی میراث بن گئی ہیں۔ عام طور پر اُن کے مطالعہ کا رواج نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ اب ہے۔ برعکس اس کے اُپ نشد ویدوں کے

زیادہ حد تک بے بضاعت زبان ہے۔ اُردو دان طبقہ کے آدمیوں میں اُپ نشدوں کے مطالعہ کا رواج ابھی کم ہے۔ میں اُردو ہی زیادہ تر لکھتا ہوں۔ اور میری قلمی محنت نے اپنے ارد گرد فلسفہ پسندوں کا کافی دائرہ بنا لیا ہے۔ لیکن وہ محدود۔ مختصر اور تنگ ہے۔ تاہم قدرت نے جس طبقہ میں مجھے رکھا ہے۔ اُس کی خدمت کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ تھوڑے شایق ہوئے تو کیا ہوا! پھر بھی اُن کی تعداد تو کچھ ہے اور میں اُن کے لئے ہی علمی خدمت کا بار اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ اور اگر میری تحریر کو لوگ بغور پڑھینگے اور اُن کو ذرا بھی وسیع نظری۔ وسیع دلی اور وسیع خیالی کا نفع پہونچا تو میری محنت بے سُود نہ کہی جائے گی۔

یہ کمی کیا ہے؟ یہ برہمہ لفظ کا ان سمجھی ہے۔ لوگ رات دن برہمہ برہمہ چلاتے رہتے ہیں۔ ویدانتی اور غیر ویدانتی دونوں ہی کی زبان پر یہ اصطلاح اکثر رہتی ہے۔ لیکن برہمہ کی مراد کیا ہے۔ اُس کی خبر کسی کو بھی نہیں ہے اور نہ اس طرف کسی کی توجہ ہی ہے۔ جو خیالات کا سلسلہ شدّ مُد کے ساتھ جاری ہے اور جو سلوک برہمہ لفظ کے ساتھ کیا گیا ہے وہی آتما لفظ کے ساتھ بھی کیا جا رہا ہے۔ ہر دو الفاظ قریب قریب کیا بلکہ بالکل ہی مُرادی نقطۂ نگاہ سے مُرادف اور ہم معنی ہیں۔ لیکن اصلیت کی کسی کو بھی خبر نہیں ہے کیوں رشیوں نے یہ لفظ گھڑے تھے۔ اور اس کی ایجاد کا باعث کیا ہے! میں ان پر روشنی ڈالنے اور ان ہی کی نظر سے اُپ نشدوں کی تفسیر کرنے کی کوشش کی جرأت کر رہا ہوں۔

برہمہ کیا ہے؟ برہمہ لفظ سنسکرت مادہ ورہ (بڑھنا) اور منن (سوچنا) سے نکلا ہے۔ جس میں بڑھنے اور سوچنے کے اوصاف پائے جائیں وہ برہمہ ہے۔ یہ اس لفظ کے لغوی اور مادّی معنی ہیں۔

آتما کیا ہے؟ آتما سنسکرت مادہ رت (حرکت) اور منن (سوچنے) سے نکلا ہے۔ جس میں حرکت اور تمیز کے اوصاف موجود ہوں۔ وہ آتما ہے یہ اس لفظ کے لغوی اور مادّی معنی ہیں۔

لوگوں کو اختیار ہے کہ میرے خیال کی تردید کریں۔ لیکن تردید انصاف کی نگاہ سے ہو۔ ہر دو اصطلاحات دو مختلف مُرادوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک میں ایک کو جڑ اور دوسرے کو چیتن کہہ لو۔ ان کی مجموعی صورت کا نام برہمہ اور آتما ہے۔

اسی خیال کو مدنظر رکھ کر رشیوں نے تمام ظاہری علوم کو حتیٰ کہ چاروں دیدوں تک کو سفلی اور اپرا ودّیا کا نام دیا ہے جس کے حوالے اور اشارے اُپ نشدوں میں جابجا موجُود ہیں۔ جو اُپ نشدوں کے ترجمہ اور شرح کے پڑھنے والوں کے لئے خودبخود خاطر نشیں ہوں گے۔ اِس سفلی یا اپرا ودیا کے علاوہ ایک اور ودّیا ہے جسے علوی علم یا پرا ودّیا کہا گیا ہے۔

یہ کیوں ہے؟ کیوں کہ جس ودّیا کی نظر صرف ورہ اور رِت تک محدُود ہے۔ وہ سفلی اور اپرا ہے اور جس کا تعلق منن سے ہے وہ علوی اور پرا ودّیا ہے۔ اُپ نشدوں کا اشارہ بھی اسی کی جانب ہے۔ جیسے

گورو اور شیشہ کے سلسلہ کے لوگ قدیم زمانہ سے سینہ بہ سینہ لیتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

اُوپر کی عبارت سے کوئی نتیجہ نہ نکالے کہ اس سے مقدس ویدوں کی تحقیر مُراد ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ویدوں کے منتروں کا زیادہ تر تعلق وِرہ وِدیا سے ہے۔ جس کا سلسلہ ہزاروں کوشش کرنے پر بھی بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور کبھی ختم ہونے پر نہیں آتا۔ منن ودیا کی جڑ بھی ویدوں میں ہے اور اُسی کی وضاحت کا سامان اُپ نشدوں میں ہے۔ یہ ان کے درمیان فرق ہے۔

یہ جو کچھ دُنیا میں ہے انھیں دونوں باتوں کے ظہور کا نظارہ ہے ان ہر دو باتوں کے خیال سے انسان کے دو راستے ہیں۔ جو دراصل وِرہ (بڑھنے) اور منن سو پہنچنے کے راستے ہیں۔ ایک کرم ہے اور دوسرا گیان ہے ایک تاریک ہے اور دُوسرا روشن ہے۔ ایک عمل ہے اور دوسرا علم ہے۔ اُپ نشدوں میں ان کے مخصُوص نام پتریان اور دیویان پنتھ ہیں اور کیا عجب ان ہی کا لحاظ کرنے سے بُودھوں کی دو شاخوں کے نام ہنایان اور مہایان رکھے گئے ہوں۔ ہنایان چھوٹا راستہ ہے۔ مہایان بڑا راستہ ہے۔ کس نقطہ نگاہ سے یہ نام بُودھوں نے اپنے دو فرقوں کے رکھے ہیں۔ وہ بحث طلب مضمون ہے اور ہم کو یہاں اُس پر غور کرنے کی بحث کرنے کی اور لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ہنایان چھوٹا طریق کہلاتا ہے۔ بُودھ جو لنکا۔ برہما۔ اور شیام کے

رہنے والے ہیں۔ وہ اُسے گوتم بُدھ کی خاص اور لطیف تعلیم بتاتے ہیں۔ چین جاپان۔ کوریا۔ تبت کے لوگ مہایان میں بہت سی باتیں شامل کر لیتے ہیں اور ان کے شمول سے وہ ایک طرح کا ہندو فرقہ بن جاتا ہے۔

اُپ نشدوں کے ورہ یان اور منن یان زیادہ واضح اور مطلب خیز ہیں۔ یہ ورہ یان بڑھتا ہی جاتا ہے اور اس سے جنم مرن کا سلسلہ کبھی ختم ہونے پر نہیں آتا۔ اس کا اصطلاحی نام پُتری یان ہے۔ اور وہ کرم کانڈ کہلاتا ہے۔ منن یان سے یہ خاتمہ پر پہونچ جاتا ہے اس راہ پر چلنے سے پھر جنم مرن نہیں ہوتا۔ اس کا اصطلاحی نام دیویان ہے۔

یان سواری کو کہتے ہیں۔ یہ سنسکرت مادّہ یا (چلنے) سے نکلا ہے ہندو اور بُودھ دونوں اُسے اسی معنی میں استعمال بھی کرتے ہیں۔

پُتری۔ یان اور۔ دیو۔ یان کے ساتھ کہیں کہیں پنتھ کا لفظ بھی مستعمل ہوا ہے جس سے اور بھی ان اصطلاحات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یعنی پتری لوک کے جانے کا راستہ اور دیو لوک کے جانے کا راستہ! اگر بغور دیکھا جائے تو بُودھوں اور ہندوؤں کے نفس مراد میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔ اور اس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ بُودھ دھرم ایک طرح پر ہندو دھرم کی شاخ ہے۔

یہ ایک ایسی بات ہے جو عام طور پر تمام ٹیکا کاروں نے فروگذاشت کر دیا ہے اور برہمہ لفظ کے اس لغوی مُراد کو فروگذاشت کر کے اُنہوں نے بغیر کسی صراحت اور وضاحت کے برہمہ کو جوہر اعلےٰ تسلیم کر کے صرف

زبانی گیان یا ودیا چک گیان ہی تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔ جس سے اُپ نِشدوں کی اصلی تعلیم جو راز باطن کہی جاتی ہے راز کا راز بن کر رہ گئی ہے اور اس کی ماہیت کی کمتر آدمیوں کو خبر ہوئی ہے۔

گیان روشن راستہ تو ہے۔ اس سے انکار کسے ہو سکتا ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ آیا وہ واچک گیان ہی ہے جو دلیل اور حجت تک محدود رہ جاتا ہے یا اور بھی کچھ ہے۔ اس کا جواب آج تک کسی ٹیکا کار نے نہیں دیا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ کرم کانڈ اور پنڈت یاں۔ رسم و رواج ضابطہ وغیرہ تو موجود ہیں مگر گیان کانڈ یا ودیاں عملاً معدوم ہو گئے ہیں۔ اس کے واقف کار اب نہیں رہے اور جہاں کہیں اُپ نشدوں نے استعارہ کی شاعرانہ زبان میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اُسے وہ مکھی پر مکھی مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اُسی پر ذرا بھی تو روشنی نہیں ڈالتے۔ سرحین موجود ہیں۔ اُپ نشدیں موجود ہیں۔ پُوچھ دیکھئے یا پڑھ دیکھئے یہ راز سربستہ جیون کا نُوں سربستہ ہی چلا آتا ہے۔

اس سربستگی۔ فروگذاشتگی اور نظر انداز کرنے کے باعث تلاش نہیں کیا جاتا۔ یہ سب کے سب عالم تو تھے۔ مگر عامل نہیں تھے۔ اگر عامل ہوتے۔ یا ودیاں پنتھ پر چلے ہوتے تو اُس پر روشنی ضرور ڈالتے۔ کرم کانڈ کی رعایت سے تمام عمل کو وہ اندھیکار اور اگیان سمجھ بیٹھے ہیں اور زبانی جمع خرچ میں اٹکے ہوئے ہیں۔ جس کا سلسلہ اس وقت تک بھی موجود ہے۔ وہ بھول گئے کہ علم بغیر عمل کے دو کوڑی کا ہوتا ہے۔ ایش اُپ نشد بہت چھوٹی سی

اُپ نشد ہے۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔ علم وعمل ساتھ ساتھ چلیں۔ یہاں عمل سے اُس کی مُراد مُروجہ کرم کانڈ سے نہیں ہے بلکہ دیویاں پنتھ کی پیروی سے ہے کرم سے موت کو فتح کرو اور گیان سے (امسر پد) کو حاصل کرو۔ یہ اس مختصر اٹھارہ منتروں والی اُپ نشد کی صاف اور واضح ہدایت ہے۔

اس دیویاں پنتھ کے اُصول اور علمی عملی پہلوؤں کے نظرانداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کہیں کہیں ٹیکا کاروں کو کرم کانڈ کے گہرے خندق میں مُنہ کے بل گرنا پڑا۔ جس سے اُن کو نکلنا دشوار تر ہو گیا ہے۔ بات کچھ تھی اور وہ کچھ کا کچھ لکھ گئے۔

اس غلطی اور غلط فہمی کا نتیجہ بہت مُضر اور پردہ داری کا باعث ہو گیا یہاں تک کہ بڑے سے بڑے مُستند ٹیکا کار دھوکا کھا گئے۔ اور دھوکا دے گئے۔ اُس کی ایک مثال مُنڈک اُپ نشد کی مختلف ٹیکائیں ہیں۔

مُنڈک کا اصلی مطلب مُنڈ (سر) اور ک (برہمہ) یعنی سر میں برہمہ کا دھارن کرنا ہے اور یہ ٹیکا کار کیا ارتھ لگاتے ہیں۔ مُنڈ۔ سر ہے اور ک چھُرا ہے۔ سر کو چھُرے سے صاف کر کے اُس میں یگیہ کی اگنی دھارن کرو اس غلطی کی کہیں حد بھی ہے۔ سنسکرت لغات کو دیکھو۔ ک کا ارتھ برہمہ ہے یا نہیں ہے اگر ہے تو پھر اُس چھُرے کی کیا غرض ہے۔ ساتھ ہی دیویاں پنتھ کی لاعلمی کی وجہ سے اُنھیں پنچ اگنی ودیا کی باطنی مُراد کی بھی خبر نہیں ہے اور وہ مُروجہ یگیوں کی باہری اور خارجی آگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ علم باطن ہے سرِ اکبر اور پوشیدہ راز ہے۔

میں نے اُپ نشدوں کی ٹیکا کو اس وقت سمجھ بوجھ کر ہاتھ میں لیا ہے
میں خود دیویال پنتھ کا پنتھائی ہوں۔ عمر کا بیشتر حصہ اسی کی اُدھیڑ بن میں
اور عمل و شغل میں صرف ہوا ہے۔ اُس کے راز سے خوب واقف ہوں اور
اُس پر روشنی ڈالنے کی اصلی غرض یہ ہے کہ اس اُردو سلسلہ کے اُپ نشد
پڑھنے والے کچھ تو راز باطن سے واقف ہوں اور اُن سے فایدہ اُٹھائیں۔
میں مکھی پر مکھی مارنے کا عادی نہیں ہوں اور نہ کسی طریق کا متعصب
ہوں۔ اُپ نشد میرے سامنے ہیں۔ میں اُن کو پڑھ کر اچھی طرح سے اُن کی
وضاحت کرتا ہوں۔

میں اپنے پڑھنے والوں سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے اس
دیباچہ ہی کو کسی اُپ نشد کے ٹیکا کار کو سُنا دیکھیں۔ وہ کیا کہتا ہے۔ سچی
بات کا دل پر فوری اثر ہوتا ہے۔ بناوٹی خواہ نقل کی بات اصل سے خالی
رہتی ہے۔ اس سے پتہ لگ جائے گا کہ آیا میں ٹھور ٹھکانے کی بات کہہ رہا
ہوں یا بڑ مار رہا ہوں۔ میں ترجمہ یا تفسیر کے وقت صرف خاص اُپ نشد
سے تعلق رکھوں گا۔ یہ اُن کا بھومیکا ہے۔ جس میں اُپ نشدوں کی تعلیم کا جوہر
دکھانا مقصود ہے۔ میں جو کچھ لکھوں گا وہ اپنے طور پر اور اپنے ہی انبھو سے
لکھوں گا۔ جو میرے انبھو کی ہی بات ہو گی۔

اس مختصر دیباچہ کے بعد اب میں اُپ نشدوں کے تعلیمی فلسفہ پر سرسری
نظر ڈالوں گا۔ تاکہ پڑھنے والے اصلی کتاب کے مطالعہ کے لئے تیار ہو جائیں۔
اُمید ہے کہ میری لکھی ہوئی اُپ نشدیں خاص نظر سے دیکھی جائیں گی۔ اور

کم از کم اُردو پڑھنے والے حضرات اُن سے رُوحانی استفادہ کرتے ہوئے اطمینان قلب کی صورت دیکھیں گے۔ کیوں کہ دُنیا میں اُپ نشدوں سے بہتر رُوحانی مطالعہ کا سامان اور کہیں بہتر شکل میں مشکل سے نظر پڑے گا۔ ہمیشہ ان سے مجھے تسلی اور تشفی ملتی رہتی ہے۔ رُوحانیت کے دقیق مسائل جو اور طرح سے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ان کے طفیل اور گورو کی بے حد مہربانی سے باآسانی ذہن نشین ہوتے گئے ہیں۔ میں نے ان کے مطالعہ سے قیمتی اور بے حد فایدہ حاصل کیا ہے۔ میرے سر پر ان کے احسان کا قرضہ ہے اور یہ تحریری سلسلہ اُس قرضہ کے اُتارنے کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ گورو سب کا کلیان کریں۔

شیوبرت لال

سبب تصنیف کتاب

اکثر لوگ کہتے رہتے ہیں کہ رُوحانی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیسے سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں اس واسطے نہیں لکھتا کہ لوگ مشکل سمجھ کر کتاب کو طاق پر رکھ دیں۔ بلکہ میری غرض لکھنے کی یہ ہے کہ جو لوگ میری تحریر کو ایک مرتبہ بھی سرسری نظر سے پڑھ جائیں۔ وہ اُن کی سمجھ میں آجائے اور اُن کی زندگی کو اس سے نفع پہونچے اور وہ اُن کی زندگی کا جُزِ اعظم بھی بن جائے۔ اگر یہ نہیں ہے تو میرا لکھنا پڑھنا دونوں ہی لاحاصل! میرا لکھنا اکارت اور اُن کا پڑھنا بے سود!

اگر میں بات کو سمجھ چکا ہوں تو پڑھنے والوں کو سمجھا کر ہی چھوڑ دوں گا ایک ایک لفظ آسانی سے ذہن نشین کرا دوں گا۔ اگر میں اسے سمجھا نہ ہوتا تو دوسری بات تھی۔ جو سمجھ گیا ہے اُس کے لئے سمجھا دینا کیا مشکل بات ہے جس نے سمجھا تو نہیں ہے۔ مگر قابلیت جتانے اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کی نیت سے اگر قلم اُٹھا رکھی ہے تو وہ کسی کو کیا سمجھا سکے گا۔ بلکہ وہ اُلٹے اُلجھن ہی میں پھنسا دیگا۔ اور جن کو اُس سے تعلق رہے گا۔ وہ متنفر ہو کر اِس علم حق سے دُور جا پڑے گا اور پھر بھُولے سے بھی کبھی زندگی بھر اُس کا نام نہ لے گا۔

اُپ نشد سرا کبر ہیں اور گیان ودیا کے نوشتہ جات ہیں اور ساتھ ہی علم سینہ بھی کہے جاتے ہیں۔ اشارے اور رمز کنائے میں سب کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ لیکن وہ رمز پسند۔ اشارہ پسند۔ نکتہ پسند اور لطیفہ پسند ہی کیا ہوا جو رمز۔ اشارہ۔ نکتہ اور لطیفہ کو سمجھتا ہوا بھی دوسروں کو نہ سمجھا سکے۔ یہ غور کرنے کی بات ہے۔

فلسفہ پسند طبقے دُنیا میں کمتر ہوتے ہیں۔ لیکن فلسفہ کیا چیز ہے۔ جس کا استحقاق کمتر انسان کو ہے۔ انسان خود فلسفہ ہے انسانی زندگی لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے اور جب وہ اس طرح کی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ فلسفہ کی مُراد سے جُدا رکھا جائے۔ کیا شئے ہے جو انسان کے اندر نہیں ہے۔ ذرا توجہ کرنے۔ توجہ دینے۔ اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ توجہ کا اُصول خود بخود ہر مشکل کو آسان کرتا کراتا چلے گا۔ اور انسان آسانی سے ہر بات کو سمجھتا جائے گا۔

ہاں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کسی کے لئے سر دردی کیوں مول لے۔ کیوں ناحق سر کا درد خریدے۔ لیکن جب کسی کو ایسی سر دردی سے تعلق رکھنے کا خبط ہی ہو تو وہ پھر کیا کرے! اُسے تو اپنا کام کرنا ہی پڑیگا اور وہ بغیر کام کئے ہوئے رہ کیسے سکتا ہے۔

سمجھانا اور ذہن نشین کرانا یہ میرا اپنا کام ہے میں نے اس کا ٹھکہ ہی لے رکھا ہے۔ اسی لئے اس مرتبہ وہی چیز مختلف صورت میں پیش کی جاتی ہے۔ اسے یوں ہی لیکر اپنے کتب خانہ میں محفوظ نہ کرو۔ بلکہ ذرا دل لگا کر کچھ پڑھو بھی۔ تب پتہ لگے گا کہ اُپ نشد پتھر جیسے وزنی چیز ہے۔

یا پانی جیسی پتلی ہے۔ یہ مطالعہ کرنے کی چیز ہے۔ بلکہ بار بار مطالعہ کی چیز ہے۔ یوں ہی رکھ چھوڑنے کی چیز نہیں ہے۔ اسے ایک نظر سے دیکھ تو پھر تمہیں رائے قایم کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ حضور داتا دیال سب کا سنبھال کریں اور کلیان کریں۔

شیوبرت لال

واجسنیہی سنہتا اُپ نشد

پہلا منتر

کثرت میں وحدت

ایش (ایشور) کو اس سب میں بسا دے
جو کچھ اس متحرک عالم میں متحرک یا غیر متحرک
شے ہے۔ اس طرح کی بے تعلقی سے تو بھوگ کر
کسی کے دولت کی بھی مطلق لالچ نہ کر۔

تشریحی قصہ

(۱)

ایک راجہ تھا۔ حد درجہ کا عیش پرست۔ خود غرض۔ لالچی! اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقلمند بھی سمجھتا تھا۔ گیان دھیان کا اُسے زعم بھی تھا۔ اس کا نام واکیہ سدھی تھا۔ لیکن اپنی سلطنت کا کام وہ بڑی ہی ہوشیاری سے انجام دیتا تھا۔ کیا مجال کہ کسی پر ظلم ہو اور وہ بغیر فریاد سنے یا انصاف کیے

ہوئے رہ سکے۔ اس بات کی طرف سے اُس کی کوئی شکایت نہیں تھی۔ اور کسی بات کی بھی شکایت نہیں تھی۔ صرف اُس کے دل میں بھوگ ولاس کی خواہش زیادہ تھی اور جب کسی کو لاوارث مرتے سنتا اُسی کی دولت پر قابض ہو جاتا تھا اور اپنے آپ کو اس کا جائز وارث سمجھتا تھا۔ بات بھی سچی تھی۔ جب ملک راجہ کا ہوا تو لاوارثوں کی دولت بھی اُسی کی ہوئی۔ اس سے کسی کو انکار کب ہو سکتا ہے۔

چونکہ اس مزاج کے آدمیوں سے اکثر غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ اُس نے سُنا کہ شہر میں کوئی لاوارث دولت مند سیٹھ مرگیا ہے۔ جس کا ایک اکلوتا بیٹا پردیس چلا گیا ہے اور لاپتہ ہے۔ پھر کیا تھا۔ اُس نے اپنے اہلکاروں کو حکم دے دیا۔ "مال پر قبضہ کرو" وہ گئے۔ اُس کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد پر راجہ کا قبضہ کرادیا۔

برسوں گزرنے پر پردیس گیا ہوا لڑکا واپس آیا۔ وہ کم سنی میں گیا تھا۔ اب بالغ ہو گیا۔ صورت شکل تبدیل ہو گئی تھی۔ آتے ہی اُس نے اپنی دولت اور جائداد کی واپسی کی درخواست کی۔ راجہ نے درخواست لے لی۔ لیکن اُسے سیٹھ کا لڑکا تسلیم نہیں کیا۔ اس طرف توجہ کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ لڑکا دُکھی ہوا اور سرکار دربار کی کارروائیوں سے تنگ آکر مایوسی سے جنگل کا راستہ لیا۔ اور وہاں جھونپڑا بنا کر دل ہی دل میں کڑھنے لگا۔ اس کے دل میں یہ خیال زور سے لہرانے لگا کہ راجہ کو ایشور کا خوف بھی نہیں ہے۔ دُنیا کی ہوس نے اُسے دبوچ رکھا ہے اور وہ بے انصافی پر تلا ہوا ہے۔

یہ خیال اب اُس کے دل سے دھار کی صورت میں نکل کر راجہ کے دل پر حملہ کرنے لگے۔ وہ بے پرواہ اور بے خوف تھا۔ تاہم چاہے کوئی کیسا بھی کیوں نہ ہو مظلوم اور ستائے ہوئے غریبوں کی آہ کے حملوں سے وہ کبھی بچ نہیں سکتا۔ وہ آہستہ آہستہ اُن سے متاثر ہونے لگا۔

ایک دن اُس نے خواب میں کسی کو کہتے ہوئے دیکھا۔ ایشور کا خوف کر۔ ایشور کو حاضر ناظر سمجھ۔ سب میں اُسے محیطِ کل سمجھ کر آزادی اور بے تعلقی کے ساتھ بھوگ۔ لالچ بُری بلا ہے۔ سوال معمولی تھے اور مشکل بھی تھے لیکن کسی سے جواب نہ بن آیا۔

راجہ سوالوں کا جواب نہ پاکر چڑچڑا سا ہوگیا۔ وزیروں کو تشویش ہوئی۔ وہ اس فکر میں ہوئے کہ کوئی گیانی آدمی ملے۔ تو راجہ کے سوالوں کا جواب دے۔ تلاش کرنے لگے۔ آخر ایک ہل جوتنے والا کسان ملا۔ راجہ کے سوالوں کو سُن کر وہ کہنے لگا۔ مجھے راجہ کے پاس لے چلو۔ میں اُسے سمجھادوں گا۔ وہ دربار میں پیش ہوا۔ راجہ نے اُسے حقارت کی نظر سے دیکھ کر اپنے سوال پیش کیے۔

کسان نے کہا۔ تو شاگرد کی حیثیت سے سوال کرتا ہے یا راجہ کی حیثیت سے اگر راجہ بن کر پُوچھتا ہے تب تو میں جواب نہ دوں گا۔ یہ برہمہ ودیا کا سوال ہے برہمہ ودیا کی تحقیر منظور نہیں ہے۔ اُس کا حق یا تو لڑکے کو ہے یا تو شاگرد کو ہے۔ دُوسرے کو اس کا سبق دینا ممنوع ہے۔

بات ٹھور ٹھکانے کی تھی۔ راجہ کو جواب لینے کی پڑی تھی۔ تامل کے بعد

میرا سوال ایک شاگرد کی حیثیت سے ہے۔

کسان۔ تو نے کوئی بھینٹ سامنے نہیں رکھی۔ جو شاگرد یا چیلے کی علامت تعظیم ہے آپ سنگھاسن پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں کھڑا ہوا ہوں۔ کیا چیلے کا سلوک گورو کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

راجہ۔ کیا نذر کروں۔

کسان۔ تخت سے اُتر۔ مجھے اُس پر بیٹھنے دے۔ یہی تیری بھینٹ ہے راجہ تخت سے اُتر پڑا۔ کسان کو تخت پر بٹھا دیا۔ اُس نے ایک گہری نظر سے راجہ کو دیکھا۔ تخت سے اُتر پڑا اور راجہ کو پھر تخت پر بیٹھا کر بولا۔ اے شاگرد تیرے سوالوں کا جواب یہ میرا سلوک ہے۔ تیری تشفی ہوئی یا نہیں ہوئی۔

راجہ متحیر ہوا۔ کوئی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگا۔ میں نے تو کچھ نہیں سمجھا۔

کسان نے کہا۔ جواب تو دے دیا گیا۔ اب اس وقت اس سے زیادہ گفتگو نہ کروں گا۔ کل کا انتظار کر۔

(۲)

دوسرے دن کسان پھر دربار میں آیا۔ راجہ اور اُس کے درباری تعظیم سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خواہش ظاہر کی کہ وہ تخت پر بیٹھے لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ اس لئے فرش پر آسن بچھایا گیا۔ راجہ اور کسان دونوں آمنے سامنے بیٹھے۔

راجہ نے سوال کیا۔ "بھگوان! میرے سوالوں کا جواب جو دیا گیا ہے۔

وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور نہ میری اُس سے تسلی ہی ہوئی ہے۔ کسان ہنسا۔ اے راجہ۔ اب غور سے میری باتوں کو سُن۔ یہ سنگھاسن جو میری بھینٹ تھا۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ تو جب اس پر بیٹھے گا۔ یہ خیال ہمیشہ تیرے دل میں لگا رہے گا۔ کہ کسان نے یہ تخت مجھے دیا ہے۔ یہ خیال تیرے دل میں اور سنگھاسن میں بسا ہوا رہے گا۔ اب یہ تیرا نہیں ہے بلکہ میرا ہے۔ میں تجھ میں اور اس سنگھاسن میں بسا ہوا ہوں۔ گویا تم دونوں ہی مجھ سے ڈھکے ہوئے ہو۔ اسی طرح تو ایشور کے خیال کو اس متحرک عالم کے متحرک اور غیر متحرک اشیاء میں بسا دے۔ خواہ اس خیال سے عالم اور اشیاء دونو کو ڈھک دے۔ اور یہ سوچ تارہ کہ یہ دنیا اور دُنیا کے ساز وں سامان اور تو خود بھی ایشور سے ڈھکے ہوئے ہیں اور ایشور سب میں بسا ہوا ہے۔ یہ تیرے پہلے سوال کا جواب ہے۔

ایش (ایشور) کو ان سب میں بسا دے۔

جو کچھ اس مُتحرک عالم میں متحرک اور غیر متحرک شئے ہے۔ اب صاف صاف کہہ۔ کہ سمجھا ہے یا اب بھی نہیں سمجھا ہے۔ راجہ نے اقرار کیا۔ بات میری سمجھ میں آگئی۔ اب سمجھنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔

کسان۔ تو دوسرا سوال پیش کر۔

راجہ۔ بے تعلقی کا بھوگ کیا ہوتا ہے۔

کسان۔ یہ سنگھاسن میرا ہے تیرا نہیں ہے۔ تجھے بیٹھنے کے لئے دیا گیا ہے۔ اِس پر آسن مار کر بیٹھ اور اس کی خوشی اور آرام کو حاصل کر۔ اس

بیٹھنے کو اور بیٹھ کر آرام پانے کو بھوگ کہتے ہیں۔ تو اسے خوشی سے بھوگ اور ساتھ ہی یہ خیال دل میں رہے کہ اسے اصل میں تجھ سے تعلق نہیں ہے۔ یہ سنگھاسن صرف بھوگنے کے لئے ملا ہے۔ یہ کسی اور کا ہے۔ اس طرح کا برتاؤ بے تعلق کہلاتا ہے اور چونکہ یہ تعلق گرفت اور غضب سے خالی ہے۔ اس لئے اس بھوگ سے تجھے دُکھ نہ ہوگا۔

اور نہ قید و بند کی حالت آئے گی۔ اور تو ہمیشہ سُکھی بنا رہے گا۔ اسی طرح سمجھ کہ متحرک عالم کے متحرک اور غیر متحرک سامان تجھے صرف بھوگنے کے لئے عطا ہوئے ہیں۔ گلے میں باندھنے یا طوق لعنت بنانے کے لئے نہیں ملے ہیں اگر تو ایشور کا خیال رکھ کر خواہ اس میں ایشور کو بسا کر بھوگیگا تو میرے پن کے غرور سے ہمیشہ بچا رہے گا۔ اور اسی کا نام بے تعلقی کا بھوگ ہے۔ بھوگو لیکن یہ نہ کہو کہ یہ بھوگ میرا ہے۔ ورنہ پھر بھوگ بھی نصیب نہ ہوگا۔ نہ یوگ ہوگا۔ نہ بھوگ ہوگا۔ دونوں دین سے گئے پانڈے حلوا ملا نہ مانڈے!" اب تم نے بے تعلقی کے بھوگ کا اشارہ سمجھا یا نہیں۔ اس طرح کی بے تعلقی سے تو بھوگ۔

راجہ۔ خوب سمجھ گیا۔ دل میں ذرا بھی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔

کسان۔ پھر تیرا سوال پیش کر۔

راجہ:۔ کیا کسی ایک کی بھی دولت کو مطلق لالچ نہ کرنا چاہیئے۔

کسان۔ جس طرح ایشور نے تجھے بھوگ کا سامان عطا کیا ہے۔ ویسے ہی دوسروں کو بھی دیا ہے۔ تجھے تخت ملا ہے۔ اوروں کو کُرسی۔ صوفا۔ پلنگ چارپائی۔ چٹائی وغیرہ ملے ہیں۔ تو اپنے بھوگ کو بھوگ۔ دُوسرے اپنے بھوگ کو

ہوگیں۔ تیری عورت تیرے لئے ہے۔ دوسروں کی عورت دوسروں کے لئے ہے۔ تیری دولت تیرے واسطے ہے۔ دوسروں کی دولت دوسروں کے واسطے ہے۔ اس خیال کو لیکر۔ اور کسی کے مقبوضات کو لالچ اور ہوس کی نظر سے نہ دیکھ۔ ورنہ تین طرح کے غذاب جسمانی۔ دلی اور رُوحانی کا وارث ہوگا اور مفت میں غذاب جان مول لیگا۔ جس سے کوئی فایدہ نہیں ہے بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ اس کے سوا تو خیال کر کہ اس دولت کا کیا ٹھکانہ ہے! یہ کس کی ہمیشہ ہو کر رہی ہے۔ جو تیری ہوگی۔ کل تیرا باپ راجہ تھا۔ آج تو راجہ ہے۔ آنیوالے دن تیرا لڑکا راجہ ہوگا۔ اس لئے کسی کی دولت کی بھی مطلق لالچ اور ہوس نہ کر۔ آخر یہ کس کی ہوئی ہے۔ تیسرا نکتہ تو نے سمجھا یا نہیں۔

راجہ۔ خوب سمجھا۔ آپ کا احسان مند ہوں۔

کسان اُٹھا۔ راجہ کے روکنے پر بھی نہیں رُکا۔ اپنے کاشتکاری کے کام میں جاکر مصروف ہوا۔

راجہ کو سیٹھ کے لڑکے کی یاد آئی۔ اُسے طلب کیا اور قانونی باضابطہ تحقیقات کر کے اُس کے باپ کی دولت اُسے واپس کر دی۔ تب دل کو اطمینان ہوا اور پریشان خواب کے خیالات سے نجات پائی۔

شبد

کس کی ہو چنتا مجھے من میں بسے رہتے ہو تم
من میں آ کر بس گئے تن میں بسے رہتے ہو تم
تن تمہارا من تمہارا میرا کیول نام ہے
جوگ جگتی یوگ یکتی میں بسے رہتے ہو تم
میں تمہارا تم ہو میرے یہ سمجھ میں آگیا
دیکھتا ہوں گھر میں اور بن میں بسے رہتے ہو تم
چھا یا مایا سب تمہاری رُوپ بھی اور نام بھی
میرے تن میں تم ہو درپن میں بسے رہتے ہو تم
دھنیہ ستگورو رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
میں نے سمجھا شبد سادھن میں بسے رہتے ہو تم

دوسرا منتر

بے تعلقی میں تعلق اور تعلق میں بے تعلقی

کرم کرتے ہوئے بھی آدمی کو سو برس تک
جینے کی خواہش رہے۔ اس طرح آدمی پر اس
طریق پر کرم کرنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۱)

کسان چلا گیا۔ اُس وقت تو راجہ کی تسلی ہو گئی تھی۔ رات کے وقت وہ سوچنے لگا۔ کرم کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ کوئی کرم اثر سے خالی نہیں رہتا جو شخص غصہ کرتا ہے اُس کا اثر سر اور جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ جو جیسا کرتا ہے۔ ویسا بھوگتا ہے۔ گورُو نے کہا۔ کسی کی دولت کی لالچ نہ کرو یہ تو صحیح ہے۔ یہ اخلاق کا اُصول ہے۔ لیکن میں دُنیا میں رہتا ہوں۔ دُنیا کے کرم کرتا ہوں۔ یہ کرم مجھے ضرور چمٹینگے ۔ ان سے چھٹکارہ پانا مشکل ہے۔ ابھی میں نوجوان ہوں۔ سو برس کی عمر بتائی جاتی ہے۔ بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ زندگی ناخوشگوار ضرور ہوگی۔ اس لئے کرم کے بندھن کاٹنے کے لئے خانہ داری کی زندگی کو ختم کر دینا چاہیے۔ سلطنت میں آئے دن ہزاروں ہی جھگڑے بکھیڑے لگے رہتے ہیں اس کے ترک کر دینے

سے پھر نہ کرم ہوں گے۔ اور نہ اُن کے نتیجوں سے دُکھ ہوگا۔ "نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری"!

راجہ نے اپنا ارادہ وزیر پر ظاہر کیا۔ وزیر متفکر ہو گیا۔ اور تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے عرض کیا انتظام سلطنت کے متعلق تو میں معقول مشورہ دے سکتا ہوں۔ مگر یہ میرے تجربہ کی باتیں نہیں ہیں۔ اُن کی بابت گورُو مہاراج سے صلاح لینا چاہیئے۔ وزیر کی رائے مناسب تھی۔ راجہ نے پسند کیا۔ آدمی کسان کے بُلانے کے لیئے دوڑایا گیا۔ اور وہ کسان اُسی وقت چلا آیا۔ پُوچھا کیا بات ہے۔

راجہ نے تعظیم کے ساتھ اُسے بیٹھا کر جواب دیا۔ بھگوان کرم کا پھل ضرور ہوتا ہے۔ جو نیک یا بد کام کیئے جاتے ہیں۔ اُن کے نتائج کا اثر انسان پر ضرور پڑتا ہے۔ اور ایک کرم سے ہزاروں ہی کرم پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے اثرات کی روک تھام بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں سو برس تک دُنیا کا گُنا بنا رہنا نہیں چاہتا۔ اس لئے کرم کو ترک کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ آخر میں مجھے کسی قسم کا دُکھ نہ ہو۔

کسان ہنسا۔ گھر ہو یا بن ہو۔ آدمی کو کرم تو کرنا ہی پڑے گا۔ اس سے چھٹکارا تو نہیں ملتا۔ سو برس تک جینے کی خواہش کر۔ اور اپنے کرم میں ایشور کو بسائے ہوئے بے تعلقی کے ساتھ دُنیا کو بھوگ۔ لالچ کو دل میں جگہ نہ دے۔ اور پھر یہ کرم جو اس طریقے پر کیئے جائیں گے۔ تجھ پر اثر انداز نہ ہوں گے۔ یہ بات میں نے کل تجھ سے کہی تھی۔ کیا تو اُسے بھول گیا۔

راجہ۔ میں اُسے بھولا نہیں ہوں۔ لفظ بہ لفظ مجھے یاد ہے اور اُسی کا نتیجہ ہے کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوئے ہیں۔

کسان۔ تو چاہتا کیا ہے۔ ترک دُنیا یا اپنے عارضی جذبہ کی صراحت۔

راجہ۔ جذبہ عارضی ہے۔ یہ دائمی نہیں ہے۔ اس کا انجام سرگردانی حیرانی اور پریشانی ہے۔ کون کسے اختیار کرے گا۔ اور کون کسے ترک کرے گا۔ اختیار اور ترک دل کے تماشے ہیں۔ کبھی یہ دل کسی طرف بہکتا ہے اور کبھی کسی طرف! آج گھر سے باہر نکلنے کا خیال ہے۔ کل پھر وہی ہوس ہو گی پچتانے لگیگا۔ اس لئے ترک دنیا بالکل فضول خیال ہے۔ مبہم اور مُذبذب باتیں نہ کیا کرو۔ جو کہو۔ سوچ وچار کر کہو۔ میں نے تم کو سو برس تک زندہ رہکر کام کرنیکی ہدایت کی ہے اور کرم کرنیکا گر بتا دیا ہے اگر اس ترکیب سے کام کیا گیا تو کرم بندھن نہ ہو گا اور پھر وہ کرم تم کو کبھی نہیں چمٹے گا۔

راجہ۔ آپ نے صرف نصیحت کی ہے۔ کاش اگر نصیحت کے ساتھ مثال بھی ہوتی تو اصلیت آسانی سے ذہن نشین ہو سکتی تھی۔ عملی مثال غیر عملی نصیحت سے ہزار ہا درجہ بہتر ہوتی ہے۔

کسان۔ اس وقت تم نے بالکل ٹھور ٹھکانہ کی بات کہی ہے۔ اگر مثال چاہتے ہو تو اس کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔

راجہ۔ اگر امکان کا امکان ہو تو کیا کہنا ہے۔

کسان۔ ہنسا۔ عالم امکان میں ہر بات کا امکان ہے۔ اگر امکان نہ ہوتا تو اُس کا خیال تک دل میں نہ گزرتا۔ بہت اچھا! صبر کرو۔ میں تم کو جلدی

ہی عملی مثال دکھادوں گا۔

(۳)

دوسرے دن کسان راجہ کے پاس آکر کہنے لگا۔ میں تیرتھ یاترہ کو چلا ہوں۔ کھیتی باڑی کا کام میرا لڑکا کریگا۔ اگر تم کو بھی خواہش ہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ کہیں نہ کہیں تم کو ایسے لوگ دیکھنے میں آجائیں گے۔ جو کرم کرتے ہیں۔ لیکن کرم کے اثر سے آزاد رہتے ہیں۔ راجہ نے رضامندی ظاہر کی۔ سلطنت کا کام ولیعہد اور وزیر کے سپرد کیا۔ معمولی آدمی کا بھیس بنایا اور دونوں ساتھ ساتھ چل دیئے۔

یہ مختلف مقامات میں گئے۔ سیر و سیاحت کی مختلف قسم کے آدمی دیکھے تجربات اور مشاہدات کو وسعت نصیب ہوگی۔ جب کاشی میں پہونچے۔ اُنکا روپیہ سارا بالکل ختم ہوگیا۔ کسان بے پرواہ تھا۔ مگر راجہ کو فکر ہوئی اور وہ پریشانی ظاہر کرنے لگا۔

کسان نے کہا۔ بے فکر رہو۔ روزی مقدر ہے۔ کوئی تکلیف تم کو نہ ہوگی۔ اس کے سوا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کام کاج کر سکتا ہوں۔

راجہ بولا۔ روپیہ کا کام روپیہ سے اور ہتھیار کا کام ہتھیار سے ہوتا ہے پردیس کا معاملا ہے۔ یہاں کوئی قرض دینے والا بھی تو نہیں ہے۔

کسان۔ جی۔ میں تو ہوں۔ جہاں تمہارا پسینہ گرے گا۔ میں اپنا خون بہادوں گا۔

راجہ۔ یہ پسینہ اور خون کا مضمون نہیں ہے۔ سفر میں بغیر پیسہ کوڑی کے

کوئی بات بھی تو نہیں سنتا۔ بھائی بھلانہ بھیا۔ سب سے بھلا روپیہ۔ روپیہ رام گورو۔ اور سب چیلا اور باقی سب کہنے سننے کا جھمیلا۔

کسان۔ پھر کیا ہوا۔ آدمی پر تمام حالتیں آتی رہتی ہیں اور سب کچھ جھیل لیتا ہے۔ یہاں ایک سیٹھ رہتا ہے وہ میرا ملاقاتی ہے۔ میں رقعہ دونگا جتنا روپیہ چاہو وہ دیدے گا۔

راجہ۔ سُن کر خوش ہوگیا۔

دونوں ایک دھرم شالے میں ٹھہرے۔ راجہ بے چین تھا۔ اُسے صبر کہاں۔ کسان ہنستا رہا۔ آخر اُس نے سیٹھ کے نام چھٹی لکھ دی اور محلہ کا پتہ بتا دیا۔ راجہ خط لیکر نام و نشان پوچھتا ہوا محلہ میں پہونچا۔ سیٹھ کی حویلی دیکھی۔ وہ راجاؤں کے محل سے بھی کہیں زیادہ شاندار تھی۔ اور سیٹھ تکیے لگائے ہوئے۔ سامنے صندوق رکھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے درزی دُوکان پر بیٹھے ہوئے قیمتی قیمتی کپڑے سی رہے تھے۔ راجہ نے اُسے چھٹی دی۔ اُس نے بغور دیکھا اور پڑھا۔ اور گہری نظر سے دیکھ کر جواب دیا۔ اس وقت مجھے دَم مارنے کی فرصت نہیں ہے۔ آج شام کو میرے اکلوتے بیٹے کی شادی ہے۔ بارات چڑھیگی۔ اگر کل دس بجے دن کو آجاؤ تو میں کافی روپیہ تم کو دوں گا۔ راجہ کو اس کے جواب سے کچھ تسلی تو ہوئی۔ لیکن بھوکا بنگالی بھات بھات۔ اندھا جب جانے جب آنکھیں ملیں۔ وہ اپنی قیام گاہ پر آیا۔ لیکن متفکر تھا۔ رات کسی طرح گذاری۔ صبح ہوئی۔ حاجات ضروری سے فارغ ہو کر وہ آٹھ بجے ہی چل کھڑا ہوا۔ اور ٹھیک دس بجے دُکان پر پہونچا۔ لو۔ سو

اور چھاتی کوٹ رہے تھے۔ سامنے کھاٹ پر لاش پڑی ہوئی تھی۔ پوچھا۔ کیا معاملہ ہے۔ جواب دیا گیا۔ سیٹھ کے جس لڑکے کی شادی تھی۔ شادی کے رسم ادا ہونے کے بعد اُسے ہیضہ ہوگیا۔ وہ دوا علاج سے نہ بچ سکا۔ مرگیا۔ اُسے مرگھٹ پر لیجانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ یہ ماتم اُسی کے جوان مرگ کا ہے۔

ایک نے کہا۔ یہ زندگی ہے۔ دیکھو! سانس آئی آئی۔ نہ آئی نہ آئی۔ آدمی یہاں کس بات کی اُمید کرے۔

دُوسرے نے کہا۔ ایک لمحہ میں نہ وکرم ہے نہ سنگھاسن رہا۔ وہ چلا مرگھٹ۔ اکارتو مال اور سب دھن رہا۔

تیسرا۔ مرتیولوک میں سب اسی طرح مرتے کھپتے ہیں۔

چوتھا۔ ہر واقع کے لئے وقت مخصوص ہے۔ مگر اس کم بخت موت کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

راجہ۔ مایوس ہوگیا۔ اُسے تو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ مُردہ چاہے دوزخ کو چلے۔ یا بہشت کو جائے۔ یہاں تو دان دکشنا کی پڑی رہتی ہے۔ سیٹھ اُسی طرح سامنے صندوق رکھے ہوئے۔ اور گاؤتکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اُس نے ناامید ہوکر پیٹھ پھیرلی۔ اب کس بات کی اُمید کرے۔ اُمید کا خاتمہ ہوگیا تھا اس کے خیالی آنکھوں کے سامنے پردیس کے تکلیف کے منظر آنے لگے۔ یہ لئے پاؤں چلنے ہی کو تھا کہ سیٹھ نے آواز دی۔ پردیسی! کیوں واپس جاتا ہے۔ اپنا روپیہ لے جا۔ آج دس بجے کا وعدہ تھا۔ یہ اُس کے پاس آیا۔ اُس نے صندوق کھولی۔ دو ہزار روپیہ گن دیئے اور اپنے آدمی کو ساتھ کیا کہ

دھرم شالہ تک پہونچا آئے۔

راجہ کے حیرت کی انتہا نہ رہی۔

اُس نے پُوچھا۔ ایک بات بتا دو۔ کل تو تم نے وعدہ پر ٹال دیا تھا۔ آج مُصیبت میں ہو۔ رنج اور پریشانی ہے۔ روپیہ کیسے دے رہے ہو۔

سیٹھ نے مسکرا کر جواب دیا۔ کل فرصت نہیں تھی۔ میں دُنیا کے کام دھندے میں پھنسا ہوا تھا آج فرصت ہے۔ کام کاج بند ہے۔

لیکن لڑکا تو مر گیا۔ کیا اُس کا دُکھ نہیں ہے۔

کس کا دُکھ۔ کس کا سُکھ! کیا زندگی اُسی دُکھ کے خیال کرنے کے لیے ہی ملی ہے۔ ہم کو تو کرم کرنا ہے اور کرم کرتے ہیں۔ جب تک جسم میں جان برابر ہے کرم کرتے رہیں گے۔ جب تک جینا تب تک سینا۔ اس قسم کے واقعات تو آتے ہی رہیں گے۔ دُنیا کا کام تو بند نہیں ہوتا۔ دیکھو سیلاب آیا۔ شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں سارے بہہ گئے۔ لیکن دُنیا کے کاموں کا سلسلہ تو بند نہیں ہوتا۔ وہ تو برابر چلتا ہی رہے گا۔ اُسے کس نے بند کیا ہے۔

کیا تم کو لڑکے کی موت کا بالکل ہی دُکھ نہیں ہے۔

دُکھ کیوں ہونے لگا۔ بے تعلقی کے ساتھ ایشور کے نام پر کرم کرتے ہیں۔ اپنے لئے یا اپنی خود غرضی سے کام کرتے تو شاید دُکھ ہوتا۔ جب اپنے خیال سے کام نہیں کرتے۔ تو دُکھ سُکھ کس بات کا۔ اور کیوں دُکھ کریں۔ آج لڑکا گیا۔ کل بیوی مری۔ پرسوں دھن دولت لُٹ گیا۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور ہوتا ہی رہے گا۔ ہم کو تو سو برس کی زندگی تک کرم کرنا ہے۔ بس! اُس کا

ایک بات کا خیال ہے اور کچھ نہیں۔

تم گیانی ہو۔

گیان دھیان کے چھانٹنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ تم جاؤ۔ روپیہ لیجا کر دیدو۔ اور میں اب مرگھٹ پر چل کر لڑکے کا کریا کرم کروں گا۔

وہ افسوس کرتا ہوا لوٹ آیا۔ سیٹھ کے آدمی دھرم شالہ تک پہونچا کر چلے گئے۔ اُس نے روپیہ کسان کے سامنے رکھا۔

کسان نے کہا۔ اسے پاس رکھو۔ اور بے فکری سے کام کرو۔

راجہ نے لڑکے کی موت اور سیٹھ کی بے غمی کا واقعہ سُنایا۔

کسان نے سُن کر ہوں کو جُنبش دی۔ یہ بے تعلقی کے ساتھ کرم کرنے کی عملی مثال تھی۔ تم نے دیکھ لی۔ اب زیادہ سیر سیاحت کی ضرورت نہیں رہی۔

راجہ نے پوچھا۔ سیٹھ سے تمہاری پہچان کہاں کی ہے۔

کسان نے جواب دیا۔ وہ تیرتھ کرنے تمہاری راج دھانی اجین نگری میں آیا تھا۔ گورو کی تلاش تھی۔ مجھ سے ملا۔ اور میرا شاگرد ہو گیا۔

اب حقیقت میں زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت کب تھی۔ ! تیرتھ کا پھل مل گیا مشکل معمہ حل ہو گیا۔

"کرم کرتے ہوئے بھی آدمی کو سو برس تک جینے کی خواہش رہے۔ اس طرح اس طریق سے آدمی پر کرم کرنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔" کسان اور راجہ کاشی سے روانہ ہو کر اجین نگری میں چلے آئے اور اپنے اپنے کام

دھندے میں برابر لگے رہے۔

شبد

کرم کرنے کے لئے آئے ہیں ہم سنسار میں
کرم کرتے ہیں یہاں بیوپار اور بیوہار میں
رہتے ہیں نشکام اپنی کامنا کوئی نہیں
کیوں ستائے کرم کب ہم آئے کارا گار میں
دیکھ لو جل پکشی سے جل سے کہاں بھیگے ہیں پنکھ
ڈبکی لیتی رات دن ہے جل کے بہتے دھار میں
ہم کمل کے رُوپ میں کھل کر بنے سُورج مکھی
جل کے اُوپر ہنستے رہتے بستے ہیں سنسار میں
دھنیہ ستگورو رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
ہم کو کچھ شنکا نہیں ستگورو کے پراُپکار میں

تیسرا منتر

آتم ہتیا

اُن لوگوں لوک اسوریہ (بغیر سُورج) کا بتلاتے
ہیں۔ جو بے حد تاریکی (تم) سے گھرے ہوئے ہیں۔
اُن ہیں مرنے پر۔ وہ لوک جاتے ہیں۔
جو اپنے آتما کے آتم ہتھیارے (خودکشی کرنے
والے) ہیں۔

راجہ کا نام بجر سین تھا۔ اور کسان کا نام بھُوبھوتی تھا۔ سفر سے واپس آنے پر وہ راجہ راج کاج کرنے لگا۔ اور یہ کھیتی باڑی میں لگا۔ دونوں میں محبت تھی۔ لیکن کسان کو بار بار دربار میں آنے سے پرہیز تھا۔ راجہ چاہتا تھا کہ کسان اُسے ہمیشہ درشن دیتا رہے۔ کیوں کہ وہ اب اس کا گورُو ہو چکا تھا۔ چیلے کی خواہش رہتی ہے کہ گورُو ہر وقت قریب رہے۔ یہ کسان کو منظور نہیں تھا۔ گو پہلے دن اُس نے گورو اور چیلے کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ لیکن بعد کو پھر یہ لفظ اُس کی زبان پر نہیں آئے۔ وہ بالکل بے غرض تھا۔ زندگی سیدھی سادھی تھی۔ ہاں خیالات ضرور اُونچے تھے۔ دوسرا

شخص ہوتا تو راجہ کے گورُو ہونے اور راج گورو کہلانے پر ناز کرتا
اُس کی توجہ ان باتوں کی طرف نہیں تھی اور وہ دیدہ دانستہ اُس کے
بلاضرورت میل ملاپ سے کتراتا تھا اور تاکید کر رکھی تھی کہ جب تک
اشد ضرورت داعی نہ ہو۔ تب تک نہ وہ اُس کے پاس پھٹکے اور نہ یہ
اُس کے یہاں جائے۔

ایک دن راجہ کا گزر اُس کے کھیت کی طرف ہوا۔ ساتھ میں وزیر
مشیر سب ہی تھے۔ بیل اُن کو دیکھ کر بھڑکے۔ کسان ہل جوت رہا تھا۔
بڑی مشکل سے اپنے بیلوں کو روکا۔ راجہ ہاتھی سے نیچے اُترا اور اُس
کے پاس گیا۔ پاؤں پڑا۔

کسان بولا۔ راجہ میں تمہارے کام میں کبھی مخل نہیں ہوتا۔ تو پھر تم
کیوں میرے کام کاج میں ہارج ہوئے ہو۔

راجہ نے کہا۔ آپ گورُو ہیں۔ گورُو کی مدد کے بغیر کام نہیں نکلتا۔ اس
لئے میں نے گستاخی کی۔

کسان سُن راجہ! مدد تو ٹھیک ہے وہ ملتی ہے اور ملے گی۔ اس
میں شک نہیں ہے۔ لیکن مدد مدد کی طرح ہو۔ وہ اپنی حیثیت سے کبھی
تجاوز نہ کرنے پائے۔ اور مدد کے بعد زندگی جب عملی بن گئی تو مدد کا
خاتمہ ہو گیا۔ شیر خوار بچھڑا گوسالہ نہیں رہا۔ بیل بن گیا۔ تب گائے اُسے
اپنے تھن میں منہ نہ مارنے دے گی۔ یہی اصول ہر جگہ برتاؤ میں رہنا چاہیے
راجہ:۔ "چیلے کو تو چاہیئے گورو کو سب کچھ دے"

کسان۔ گورُو کو ایسا چاہیئے۔ شِشیہ کا کچھ نہ لے۔

راجہ" تن من دھن سب آپ کا۔ لیجئے گورُو سُو جان"

کسان" لے کر تجھ کو دے دیا ساتھ نام گورُو دان"

راجہ" مجھے پاس آنے سے کیوں ممانعت ہے۔

کسان۔ ممانعت نہیں ہے۔ بلا ضرورت تم میرے پاس نہ آیا کرو۔ راجہ ہو۔ اپنی حیثیت کا خیال رکھو۔ ضرورتاً مضایقہ نہیں ہے"

راجہ۔ کیوں!

کسان۔ حفظ مراتب کا خیال رہے۔ اور تضیعہ اوقات سے پرہیز رہے"

راجہ۔ گورُو کے چرن میں آکر۔ حفظ مراتب کا سوال بے معنی ہے۔

کسان۔ صحیح ہے۔ لیکن بیوہار اور طرز تمدن کی نظر سے اس کی پابندی لازمی ہے۔

راجہ۔ اگر پابندی نہ کی گئی تو کیا نقصان ہو گا۔

کسان۔ خود کشی ہو گی۔ آتم ہتیا ہو گی۔ آتم ہتیار اپنانا مقصود نہیں ہے۔

راجہ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ بعض بعض قاعدوں کی پابندی کرنے یا پابندی نہ کرنے سے آدمی آتم ہتیارا اور خودکش ہو جاتا ہے۔

کسان۔ ہاں ہو جاتا ہے۔

راجہ۔ اور اُس کی کیا حالت ہوتی ہے۔

کسان۔ وہ مرنے کے بعد ایسے لوکوں (کروں) میں پیدا ہوتا ہے جہاں سورج نہیں ہے۔ وہ گھپ اندھیرے ہیں اور اسروں کے لوک کہلاتے ہیں۔

راجہ:۔ آتم ہتیارا یا خُود کش۔ آپ کس کو کہتے ہیں۔

کسان:۔ جو اپنی ہستی کو پامال کر دے۔ اُسے اہمیت سے خالی سمجھے۔ دوسروں کا محتاج اور دست نگر بنے۔ اور دل کے اندر ایسے وہمی عقاید کو جگہ دے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ اور میری ہستی کچھ نہیں ہے۔ میں کرم نہ کروں۔ دوسرا مجھے روٹی لاکر کھلائے۔ دغیرہ وغیرہ ایسے آدمی کو خود کش یا آتم ہتیارا کہتے ہیں۔

راجہ نے دل میں غور کیا۔ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ وہ کچھ اور پُوچھنے کو تھا کہ کسان نے کہا۔ تم راجہ میں کسان۔ تم رہتے ہو محل میں۔ میں رہتا ہوں میدان! یہ کھیت کا کنارا ہے۔ یہاں زیادہ دیر تک گفتگو کرنے سے دیہاتیوں کے ہجوم اکٹھا ہونے کا اندیشہ ہے ایسی جگہ میں برہمہ ودیا کے متعلق زیادہ گفتگو نہ کروں گا۔

راجہ:۔ اُسے نمسکار کر کے رات کے وقت شاہی محل میں آنے کی دعوت دے کر ہاتھی پر بیٹھا اور چلا آیا۔

---

(۲)

رات ہوئی۔ کسان راجہ کے گھر گیا۔ دونوں اکیلے تھے۔ بات چیت میں لگے۔

راجہ نے کہا۔ آج آتم ہتیارے کا مضمون تم سے سمجھنا ہے۔

کسان:۔ سمجھو۔ بُوجھو۔ پُوچھو۔ گچھو۔ پڑھو۔ گنُو۔ یہی تو میرے یہاں آنے کا مقصد ہے۔

راجہ:۔ یہ فرمائیے۔ گورُو کی اور ایش (ایشور) کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جو اہمیت ہے وہ چیلے کی یا جیوُ ہی کی ہے۔

کسان۔ اپنی اپنی اہمیت۔ اپنی اپنی جگہ ہے۔

راجہ:۔ اور چیلے کی

کسان:۔ چیلے کی جگہ ہے۔

راجہ:۔ اس پر ذرا زیادہ روشنی ڈالیئے تاکہ میں اچھی طرح اسے سمجھ سکوں۔

کسان۔ چیلا مقدم ہے۔ گورو موُخر ہے۔ جیو مقدم ہے۔ ایشور موخر ہے۔

راجہ سُن کر حیران ہوگیا اور سکوت میں چلا گیا۔

کسان نے خود ہی زبان کھولی۔ چیلا گورو کو اپنی ہدایت کے لئے گورُو بناتا ہے۔ گورُو کی ہدایت کے لئے نہیں۔ اس لئے چیلا پہلے ہے اور گورُو اس کے پیچھے ہے۔ جیو ایشور کو اپنی بھلائی کے لئے پُوجتا ہے۔

ایشور کی بھلائی کیلئے نہیں۔ اسلئے جیو مقدم اور ایشور موخر ہے۔ آدمی اپنی سیری کیلئے غذا (اناج) کھاتا ہے۔ غذا کی سیری کیلئے نہیں۔ اسلئے آدمی کی اہمیت زیادہ ہے غذا اُس کے بعد۔ کپڑا اپنے تن پوشی کے لئے استعمال کیاجاتا ہے۔ کپڑے کی تن پوشی کے لئے نہیں۔ اس لئے ان میں سے اپنی ہی اہمیت زیادہ ہے۔ آدمی بیوی کو اپنے آرام کے لئے بیاہتا ہے۔ کچھ بیوی کے آرام کیلئے نہیں۔ اس لئے شوہر مقدم اور بیوی موخر ہے۔ اسی طرح دُنیا کے تمام ساز و سامان۔ ہاتھی گھوڑے۔ محل و مکان۔ دھن دولت۔ نوکر چاکر۔ گیان دھیان۔ پُوجاپاٹ وغیرہ کی بابت سمجھ لے۔ جو ایسا نہیں سمجھتا ساز سامان ہاتھی گھوڑے۔ محل و مکان۔ دھن دولت۔ نوکر چاکر۔ گیان دھیان۔ پُوجاپاٹ وغیرہ۔ اُسے آتم ہتیارا اور خود کُش سمجھتے ہیں۔ اور اُس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

راجہ نے اب جاکر کسان کی باتیں کچھ کچھ سمجھیں۔ کہنے لگا یہ لازم بالملزوم ہیں۔

کسان:۔ لازم پہلے ملزوم پیچھے اور پھر لازم ملزوم۔ نہ تم میرے شاگرد ہوتے۔ نہ میں تمہارا گورو بنتا۔ اس لئے شاگرد ہی گورو کا پیدا کرنے والا ہے۔ نہ جیو کو ایشور کی بھگتی کا خیال آتا۔ نہ ایشور اس کے لئے پرگٹ ہوتا۔ اس لئے ایشور کا پرگٹ کرنے والا جیو ہی ہے۔ جیو اور شاگرد اسی لئے مقدم ہے۔ اور گورو اور ایشور مُوخر ہیں۔ پہلے آتما پھر پرماتما۔ اول خویش بعد درویش۔ پہلے ساکن پیچھے مسکن۔ اس نظر سے لازم کے بعد ملزوم آگہ دونوں پھر لازم بالملزوم بنتے ہیں اور ان کی نسبتی حیثیت کے مدارج قایم ہوتے ہیں۔

ہاتھ باندھ کر اُس سے کہا کہ "مجھے اس آتما کا جیسا چاہیے گیان نہیں ہوتا۔
کسان نے کہا۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ آتم گیانی ہوتا۔ آسان نہیں ہے۔ جب آدمی اُس کے جاننے پر ہمہ تن۔ اور ہمہ دل متوجہ ہو جاتا ہے اُس وقت کہیں اُس کا انبھو (حس باطن) نصیب ہوتا ہے۔

راجہ:۔ پھر میں کیا کروں؟

کسان:۔ تم سوال پر سوال کرو۔ میں جواب دیتا چلوں گا۔

راجہ:۔ آتما کتنے ہیں۔

کسان:۔ آتما متعدد نہیں ہیں۔ وہ ایک ہے۔

راجہ:۔ اُس میں حرکت ہے یا بے حرکتی ہے۔

کسان:۔ وہ نِشچل اور اچل خواہ بے حرکت ہے۔ حرکت کے تمام کاروبار اُس کے سہارے ہیں۔

راجہ:۔ اُس حرکت نہ رکھنے ہوئے آتما کو میں کیا سمجھوں۔

کسان:۔ اُسے تم سُوتر آتما سمجھو۔

راجہ:۔ سُوتر آتما کیا ہوتا ہے۔

کسان:۔ سُوتر سُوت یا دھاگے کو کہتے ہیں۔ جیسے مالا کا سُوت (تاگا) اس کے تمام دانوں میں روت پروت ملا ہوا۔ گتھا ہوا شامل رہتا ہوا ہوتا ہے۔ اُسی طرح یہ سُوتر آتما بھی ہر جگہ۔ ہر شے اور ہر لمحہ میں پِرویا ہوا رہتا ہے۔ وہ سب میں ہے۔ اُس سے کوئی چیز خالی نہیں ہے اور سب کچھ اُس کے سہارے ہے۔ ایک ہوتا ہوا۔ وہ انیک

یعنی متعدد اور بے شمار چیزوں میں محیط ہو رہا ہے۔

راجہ:۔ جب وہ ایسا ہے تو دل کو اُس کی سمجھ کیوں نہیں آتی۔

کسان:۔ وہ دل سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہے۔ دل اُسے پکڑنا چاہتا ہے اور وہ اُس کی گرفت میں نہیں آتا۔ اور دل ہی پر کیا موقوف ہے۔ تمام حواس (اندریاں) جو دیوتا کہلاتے ہیں۔ اُس تک نہیں پہونچتے جو اُس کے پکڑنے کو دوڑے۔ وہ اور بھی آگے بڑھا مگر اُن کے ہاتھ نہیں آیا۔ جس قدر یہ اُس کے قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُسی قدر وہ اُن سے آگے بڑھ جاتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ بے حرکت ہوتا ہوا۔ اُنھیں اُن سے زیادہ متحرک محسوس ہوتا ہے۔

راجہ:۔ حیرت ہے۔

کسان:۔ حیرت کی بات ہی ہے۔ جب سب اُسی کے آدھار پر رہتے ہیں۔ تو آدھار والی چیز آدھار کو کیسے گرفت کر سکتی ہے! دل اُسی کے سہارے سب کچھ سوچتا ہے اور پھر وہ اُسے کیسے سوچے! اور کس سے سوچے!

راجہ:۔ اُس کو ذرا مثال سے صاف واضح کیجئے۔

کسان:۔ وہ بے مثال ہے۔ جب کوئی اُس کا غیر۔ دوسرا یا ثانی ہو۔ تب مثال دی جائے۔ عدم المثال کی مثال کہاں تلاش کی جائے اور جو مثال دی جائے گی وہ مادّی۔ صفاتی اور خیالی ہوگی اور وہ ان سب سے اُوپر ہے۔ تاہم دُنیا عالم مثال ہے اور مادّی سامان کی مدد سے میں

اُس کے رُوت پرُوت ہونے کی مثال تم کو دیتا ہوں۔ مثال کا صرف ایک پہلُو لیا جاتا ہے۔ اُس میں نہ تمام پہلوؤں کی شمولیت ہوتی ہے اور نہ ایسا خیال ہی کرنا چاہیے۔ ورنہ اصلی معنی مُراد کے سمجھنے میں تم خطا کر دگے۔ مثال کے طور پر دُودھ کو لے لو۔ چھانچھ۔ ملائی۔ دھی۔ پنیر۔ برفی پیڑے قلاقند وغیرہ سب دُودھ کے آدھار پر ہیں۔ دُودھ ان سب میں رُوت پرُوت ہے۔ لیکن وہ دودھ تو نہیں ہے۔ دُودھ نہ ہوتا تو یہ بھی نہ ہوتے۔ دُودھ ان میں مالا کے سوت کی طرح پرُ ویا ہوا ہے۔ اسی طرح شُوترآتما ہونے کو تو سب میں ہے۔ اور ایک ہے۔ لیکن وہ کسی ایک کا نہیں ہے۔ اُس کے سہارے تمام کرموں کے کھیل ہوتے رہتے ہیں اور کرموں کے کھیل اُس تک نہیں پہونچتے۔

راجہ:۔ یہ بات اب کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی ہے۔

کسان:۔ ہنسا۔ جو سمجھ میں آگیا۔ وہ آتما نہیں رہا۔ تم نے جو کچھ سمجھا ہے وہ اُس کا رُوپ نہیں ہے۔ بلکہ مادی سامان کے نسبتی تعلقات کا علم ہے۔ جو من سے مخصوص ہے اور من کی رسائی اصل حقیقت تک نہیں ہے۔

راجہ:۔ معلوم ہوگیا۔ اس پر وِچار کرنے کی ابھی بہت ضرورت ہے۔

کسان:۔ وہ وِچار کے تابع یا ماتحت بھی نہیں ہے۔

راجہ:۔ پھر کیسے سمجھ میں آئے گا۔

کسان:۔ وہ سمجھ سے باہر ہے۔

راجہ:۔ یہ کرم جو سنسار میں ہو رہے ہیں انھیں کون اُس سے

وابستہ کرتا ہے۔

کسان:۔ اس کا نام رشیوں نے ماترشویا رکھا ہے۔

راجہ:۔ یہ ماترشویا کیا ہے۔

کسان:۔ یہ وایو ہے۔ پران ہے۔ دھار ہے۔ یہ دھاری اُس میں کرموں کو قایم کرتی ہے۔ ورنہ کرموں کی بھی اُس تک رسائی نہیں ہے۔

---

(۵) ایک بے حرکت، من سے زیادہ تیز ہے۔ دیوتا (اندریاں) اُسے نہیں پہونچتے۔ وہ آگے نکل جاتا ہے۔ دوسروں (اندریوں) سے بڑھ جاتا ہے اور کھڑا ہوا دوڑ جاتا ہے۔ اُسی میں ات رشوا کرم کو قایم کرتا ہے۔

شبد

سب میں ہے اور سب سے نیارا کیا کہے کوئی اُسے
سب کے اندر ہے وہ پیارا کیا کہے کوئی اُسے
وہ اچل نشچل ہے من بانی نہیں پاتے اُسے
سار کا ہے سار سارا کیا کہے کوئی اُسے
بدھی نرنے کر نہیں سکتی نہ من کی ہے پہونچ
وِدیا نے دونوں کو مارا کیا کہے کوئی اُسے

دُور ہے اور سُن نکٹ ہے سُن نکٹ ہے دُور ہے
دونوں ہی کا ہے سہارا کیا کہے کوئی اُسے
اِندریوں سے اُس کا ہاتھ آتا کبھی سمجھو نہیں
کس نے پایا وار پار کیا کہے کوئی اُسے
مَن چلا بُدھی چلی یہ تھک گئے وہ بڑھ گیا
وہ نہ ست دھن اور دار کیا کہے کوئی اُسے
دھنیہ ستگور رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
سہج بھو ساگر سے تارا کیا کہے کوئی اُسے

پانچواں منتر

جگدیشور (مسلسل)

وہ حرکت کرتا ہے۔ وہ حرکت نہیں کرتا۔ وہ دور ہے اور وہ نزدیک ہے۔ وہ ان سب کے اندر ہے۔ وہ ان سب کے باہر ہے۔

راجہ نے پوچھا:۔ ماتریشور۔ پران۔ وایو۔ یا دھار کو کیسے اور کس رعایت سے نام دیا گیا ہے۔

کسان نے جواب دیا:۔ یہ لفظ ماتریشور دو سنسکرت مادّوں سے بنا ہے۔ ماتری (ماں) اور شی (چلنا۔ لینا یا قبول کرنا) ہے۔ یہ اُس لفظ کے لغوی معنی ہیں۔ یہ اُس سے قریب ہے۔ اُس کے اثر سے متاثر ہے۔ اُسے اس رعایت سے ماتر شور کہا گیا ہے۔ وہ چال۔ قبول اور پسندگی ماں ہے۔ چونکہ اس کا سلسلہ دھار کی صورت میں جاری ہے۔ اس نظر سے اُسے وایو یا پران کہا جاتا ہے۔

راجہ:۔ "تو کیا یہ اُس تک رسائی کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔"

کسان:۔ مددگار ہے اور نہیں بھی ہے۔ جو اس سے مدد لیتے ہیں اُن کے لئے مددگار ہے۔ جو مدد نہیں لیتے ان کو کیا مدد ملے گی

اے راجہ! یہ پران کی دھارہی ہے۔ جس کی الٹی چال پر غور کرنے سے اُس سُوتر آتما کے صرف انجو کا امکان ہے۔

(۳)

راجہ۔ جب یہ کیفیت ہے تو پھر اُسے بہت قریب سمجھنا چاہیئے۔

کسان:۔ قریب تو وہ ہے اور سب سے زیادہ قریب ہے۔ اُس سے زیادہ قریب کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ سب کا جوہر ہے سب کا خلاصہ ہے اور سب کا لب لُباب ہے۔

راجہ:۔ وہ اچل ہو کر چلتا کیسے ہے۔

کسان:۔ حرکت کا دار و مدار اُس بے حرکت پر ہے۔ جتنے حرکات اور سکنات ہیں۔ سب اُسی کے آدھار پر ہیں۔ بغیر اُس کے کوئی شئے حرکت نہیں کر سکتی۔ سب کو اُس سے طاقت ملتی ہے۔ ساری طاقت اُسی کی ہے۔ وہ خود طاقت ہے۔

راجہ:۔ یہ سب درست ہے کیا وہ ان سب کے اندر ہے۔

کسان:۔ وہ سب کے اندر ہے اور سب کے باہر ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی ہے نہ ہوا۔ نہ ہوگا اور نہ ہو سکے گا۔

راجہ:۔ میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں۔ اس لئے زیادہ سوال نہیں کرنا چاہتا۔

کسان نے مست ہو کر یہ شبد سُنائے۔

نظم

جو یہاں شامل ہے سب ہیں حرکات میں سکنات میں
یہ سمجھ لینا وہ شامل ہے تمہاری ذات میں
دُور سے ہے دُور اور نزدیک سے نزدیک تر
تم میں ہے حرکت اُسی کی ہے تمہاری بات میں
ہاں نہیں انکار اور اقرار تک میں ہے وہی
جس کو دیکھو وہ گُھٹا رہتا ہے اُس کے ساتھ میں
عقل سے اور دل سے کب کوئی پتا پانے لگا
لاکھ کوشش کرنے پر آتا نہیں ہے ہاتھ میں
دھنیہ ستگور رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
وہ تمہاری ذات ہے رہتا تمہارے ساتھ میں

وہ حرکت کرتا ہے وہ حرکت نہیں کرتا
وہ دور ہے اور نزدیک ہے
وہ ان سب کے اندر ہے
وہ ان سب کے باہر ہے

اُس کی مہما کون جانے جاننا ہے اتی کٹھن
کب پہونچ سکتے ہیں اُس تک بُدھی بانی اور من

وہ یہاں ہے وہ وہاں ہے سب میں ہے سب سے الگ
سب کا ندھیاس ہے وہ اور سب کا ہے شرون منن
وہ نہیں اودیا سے ملتا ودیا کیا جانے اُسے
جوگ سادھن سے ملا کس کو ہے سب نشچل جتن
وہ اچل نشچل ہے وہ چل بھی ہے اَدبھت رُوپ ہے
سب کے بھیتر اور باہر ہے اُسی کا یہ کتھن
دھنیہ ستگورو رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
کیا کہوں مُنھ سے نہیں میرے نکلتے کچھ بچن

چھٹا منتر

آتم درشی

جو شخص تمام جانداروں پر یکساں نظر کر کے سب کو آتما میں دیکھتا ہے اور سب میں آتما کو دیکھتا ہے۔ آتما اُس سے کبھی مُنہ نہیں پھیرتا۔

راجہ:۔ تم اُسے یہ بھی کہتے ہو اور وہ بھی کہتے ہو۔ چل اور اچل دونوں ہی بتاتے ہو۔ نزدیک اور دُور بھی ٹھہراتے ہوئے۔ ساتھ ہی اندر اور باہر ہر جگہ یقین لاتے ہو۔ اُسے کوئی کیسے پائیگا۔ وہ تو مذہب کا معمہ بن گیا ہے۔

کسان:۔ کس طرح؟

راجہ:۔ یہ بھی ہے۔ اور یہ بھی نہیں۔ وہ بھی ہے اور وہ بھی نہیں۔ یہ جُھل نہیں ہے تو اُسے واضح کون کہے گا۔

کسان:۔ تم میرے پاس بیٹھے ہو۔ اگر میری بات نہ سُنو تو مجھ سے ہزاروں کوس کی دُوری پر ہو اور اگر ہزار کوس کے فاصلہ پر رہ کر میرا خیال کرو تو مجھ سے بہت قریب ہو۔ کیا یہ سچ نہیں ہے۔

راجہ:۔ یہ سچ تو ہے۔

کسان:۔ تب وہ جھوٹ اور جُھل کیسے ہوا۔

راجہ غور اور فکر میں محو ہو گیا۔ کسان نے بھی اُس وقت سکوت اختیار

تھوڑی دیر بعد راجہ نے زبان کھولی۔ کوئی ایسی بھی تدبیر ہے۔ جس سے انسان کو اس کی جانب رغبت رہے۔

کسان محوِ حیرت ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ یہ عجیب سوال ہے۔ شاید تم نے اپنی مُراد کو صاف لفظوں میں ظاہر نہ کر سکے ہو گے۔ اور تمہارے پُوچھنے کی یہ غرض رہی ہوگی۔ کہ آدمی کس تدبیر سے اور کس ترکیب سے اُسے اپنے میں شامل تصور کرے۔

راجہ :۔ ہاں۔ میرا یہی مطلب ہے۔

کسان :۔ اُس کا جواب یہ ہے کہ سب میں آتما کو سمجھو اور آتما میں سب کو سمجھو۔ اپنے میں آتما کو اور آتما میں اپنے کو باور کرو۔ تو وہ آتما سے کبھی بھی بہکیگا نہیں۔ اور سم درشٹی (یکساں نگاہ) ہوتا ہوا۔ اختلاف بینی۔ مغائرات بینی۔ اور تفرقہ پسندی (بھید واد) کے عیب سے سدا محفوظ رہیگا۔

راجہ :۔ لیکن یہ خیال اُسے کس طرح آئے۔

کسان :۔ پانی کی مثال لو۔ پانی آتما ہے۔ مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں۔ اُس میں وہ کھیلتی اور جیتی جاگتی ہیں۔ تمام مچھلیوں کی یہی کیفیت ہے کوئی بھی مچھلی ایسی نہیں ہے۔ جو پانی سے مختلف ہو۔ پانی تمام مچھلیوں کا اصل ہے۔ مچھلی کے اندر باہر اُوپر نیچے پانی ہی پانی ہے۔ اُس کی زندگی پانی ہے۔ اور موت بھی اُس کی پانی ہی میں ہے۔ اُسی طرح جتنے جاندار ہیں۔ سب میں آتما ہے۔ اور سب آتما میں ہیں۔ آتما سب کے بھیتر۔ باہر۔ ہر جگہ۔ ہر وقت

اور ہر کیفیت میں محیط کل اور پھیلا ہوا ہے۔ ہم میں آتما ہے اور ہم آتما میں۔ تم میں آتما ہے۔ اور تم آتما ہو۔ یہ خیال دل پر پوری طرح سے حاوی ہو جائے اور جب وہ اُس کی عملی اور خیالی مجسم حالت ہو جائے تب وہ کبھی آتما سے منکر اور منحرف نہ ہوگا۔ اُسے ہر جگہ آتما ہی آتما نظر آنے لگیگا۔

نظم

گُل ہے گل کی رنگ و بُو ہے گلشن اور گلزار ہے
کیا گُل پر وہ دامن گُل اٹکا خار ہے
نغمہ بُلبُل کا ہے وہ سخن خوش ہر دم مُدام
نخل کے ہر شاخ میں پھبتا وہ برگ و بار ہے
ذرہ ذرہ میں چمک اور لمحہ لمحہ میں دھمک
نُور ہے شمش و قمر میں مطلع الاانور ہے
آپ کی صُورت ہے بحر بیکراں کو نین میں
موج قطرہ میں دریا آب سے سرشار ہے
شکل مٹی کی بنا صُورت گری کرنے لگا
جسم ہے اجرام ہے مسکن در و دیوار ہے
چشم وحدت بین ملے تب وہ نظر آنے لگا
وہ نظر منظور و ناظر مجمع الانظار ہے

"جو شخص تمام جانداروں پر یکساں نظر کر کے سب کو آتما میں دیکھتا ہے اور سب میں آتما کو دیکھتا ہے۔ وہ اُس سے کبھی مُنہ نہیں پھیرتا"

شبد

رادھا سوامی سندھ ہیں اور رادھا سوامی بُوند ہیں
رادھا سوامی مجھ میں ہیں ان سے الگ کیسے ہوں میں
رادھا سوامی چندر ہیں اور رادھا سوامی ہیں کلا
رادھا سوامی پھول ہیں اور رادھا سوامی کو کلا
رادھا سوامی درشٹی درشٹا اور رادھا سوامی درشیہ ہیں
رادھا سوامی سرشٹی سرشٹا اور رادھا سوامی سرشٹہ ہیں
رادھا سوامی منزلوں میں رادھا سوامی دھام میں
رادھا سوامی روپ میں ہیں اور رادھا سوامی نام میں
دھیان اور رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
آیا جو چرنوں میں تیرے جنم سپھل وہ کر لیا

ساتواں منتر

آتم درشی

جس میں تمام جاندار دیکھنے والے میں سم ہو گئے
تب اُس میں موہ کیسا ہو اور شوک کیسا ہو۔
اُس کے لئے ہر جگہ وحدت ہے جو وحدت کو دیکھتا ہے۔

(۱)

راجہ نے کہا:- بھگوان! آپ کی تعلیم تسلی بخش ضرور ہے۔ وحدت اور وحدانیت کا مضمون۔ اب میرے خاطر نشین ہو گیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ کہنا آسان ہے۔ یہ باتیں ہر شخص کہہ سکتا ہے۔ کرنا اور کر دکھانا اور اُسکی عملی صورت میں نکھر آنا سخت مشکل ہے۔

کسان نے پوچھا:- کیوں۔

راجہ نے جواب دیا:- سنسار دُکھ ساگر ہے۔ تمام آدمی موہ اور شوک اور بھُول بھرم میں پھنسے رہتے ہیں اور اُن کا دل ٹھکانے نہیں رہتا۔ تعلقات کی زنجیر گلے کی پھانسی ہو رہی ہے۔ اور وہ دُکھ کا باعث بن جاتی ہے۔

کسان:- بات مشکل تو ضرور ہے۔ لیکن ابھیاس۔ ویراگ۔ سادھن اور ست سنگ سے کیا نہیں ہوتا۔ کیا تم نے تعلق میں بے تعلقی اور بے تعلقی میں تعلق کی مثال بنارس میں نہیں دیکھی تھی۔ وہ تو اپنے طور پر کافی تھی۔

راجہ:۔ "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی"

کسان ہنسا:۔ تو ابھی اور سفر کرنے کی ضرورت ہے! چلو میں تمہارے چتانے کے خاطر پردیش چلنے کو تیار ہوں۔ پہلے کی طرح راج کاج کے انتظام کو تم اپنے لڑکے کے سپرد کر دو۔ میں بھی کھیتی باڑی کے کام کو اپنے لڑکے کے سپرد کر دوں گا۔

راجہ:۔ میں راضی ہوں۔

کسان:۔ لیکن یہ شرط ہے۔ اس مرتبہ ہم دونوں گیروٗ لستر پہن کر سفر کریں گے۔ سادھو کی عزت ہر جگہ ہوتی ہے اور اُس کی مختصر ضرورتیں آسانی سے رفع ہوتی رہتی ہیں۔

راجہ:۔ راج کے باہر چل کر ہم بھیس بدل لیں گے۔ **کسان**۔ اس مرتبہ ہم اور تم دونوں ہی سفر کو نکلیں گے۔ اور کوئی ساتھ نہ ہوگا۔

زیادہ جھمیلے رکھنے سے آدمی تکلیف اُٹھاتا ہے۔ تجربات اور مشاہدات کی وسعت میں فرق بھی آتا ہے۔

(۲)

اُجین سے کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اُس کا نام دھارانگر تھا۔ کسی زمانہ میں یہ مشہور راجہ بھوج کی راج دھانی تھی۔ اب یہ اور اجین دونوں معمولی قصبے ہیں اور مہاراجہ گوالیر کے قبضہ میں ہیں۔

جس زمانہ کا یہ قصہ ہے۔ اُس وقت شاید اُس کی حیثیت کچھ بہتر رہی ہوگی۔ راجہ کا نام مُودجیت تھا۔ ولیعہد شوک جیت کہلاتا تھا۔ دونوں

کے نام عجیب وغریب تھے۔ موہ کے جیتنے والے کو موہ جیت اور شوک کے جیتنے والے کو شوک جیت کہتے ہیں۔ دونوں نے غور کیا۔ یہ نام یوں ہی نہیں رکھے گئے ہیں۔ ممکن ہے راجہ اور یُوراج میں یہ اوصاف بھی ہوں۔ بحر سین اور بھُوبھُوتی کو یہاں کچھ دنوں قیام کرنے کی سُوجھی۔ اور بستی کے باہر جھونپڑا ڈال کر ٹھہر گئے۔ کسی سے نقد خیرات نہیں لیتے تھے۔

مُوہ جیت نے سُنا کہ دو سرچشم سادھو بستی کے باہر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُسے حیرت ہوئی۔ شوک جیت کو ساتھ لیکر ملنے آیا۔ کچھ پھل پھُول نذر کیا۔ دونوں ان کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور رواج کے موافق اُنہوں نے اپنے نام بتائے۔

سادھوؤں نے پُوچھا: "تمہارے نام عجیب وغریب ہیں"۔

انہوں نے جواب دیا: نام تو نام ہی ہیں۔ ہمارے خاندان میں بزرگوں کے نام کے ساتھ جیت کا لفظ شامل ہوتا چلا آیا ہے مثلاً شتروجیت اندریہ جیت۔ کام جیت۔ کرودھ جیت وغیرہ۔ ہم نے بھی اُسی رعایت سے موہ جیت اور شوک جیت نام رکھ لیا ہے۔

یہ بولے: " یتھا نام تتھا گنہہ"۔ جیسا نام ہوتا ہے۔ ویسا گُن بھی ہوتا ہے۔

مُوہ جیت نے کہا: ہوگا۔ لیکن اب تک کیا معلوم۔ ہم میں یہ اوصاف ہیں بھی یا نہیں۔

سادھوؤں نے جواب دیا: ہوں گے۔ اور ہونے بھی چاہیئے۔

مُوہ جیت اور شوک جیت ان سے معمولی بات چیت کر کے چلے گئے۔

سادھو دراصل سمجھدار اور گیانی دھیانی نظر آئے۔ جو اُن کی خوشی کا باعث ہوا۔

ربط ضبط بڑھ گیا۔ راجہ اور ولیعہد دونوں کے دونوں اُن کی محبت میں آنے جانے لگے۔ اُن کو تو فطرتاً گیان دھیان کے چرچے کا خبط رہتا ہی تھا۔ وہ بھی اِن باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔ بھولی بھالی کسان پر کھ لیا کہ یہ دونوں سمدرشی وحدت بین اور آتم وادی تھے اور اِن کے نام کو ان کے عادات اور حرکات کے ساتھ موزونیت تھی

ایسا اتفاق ہوا کہ کسی دن ولیعہد شوک جیت جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا۔ رات ہو گئی۔ اور وہ تن تنہا بیوقت اُن کی کٹی میں آیا۔ تاکہ پیچھے رہے ہوئے۔ ساتھی جب آئیں تب محل کو جائے۔ رات بھر وہاں پڑا پڑا انتظار کرتا رہا۔ وہ نہیں آئے۔ سادھوؤں کو خیال ہوا۔ اُس کا کپڑا مانگ لیا۔ اور اُس پر سُرخ رنگ کے دھبے ڈال کر اور راجکمار کو ویسے ہی سوتا ہوا چھوڑ کر محل میں آئے۔ راجہ حاجات ضروری سے فارغ ہوا تھا۔ اور اپنی رانی سے کچھ کہہ سُن رہا تھا۔ یہ پہونچے۔ خبر ملتے ہی راجہ نے پاس بُلا لیا۔ اتنی صبح آنے کا سبب پوچھا۔ دونوں سادھو مُنہ لٹکائے ہوئے تھے۔

بولے۔ کل دن کو نہایت افسوسناک حادثہ ہو گیا۔ شوک جیت شیر کے شکار کو گیا تھا۔ شیر تو مرا نہیں۔ اُسے ہلاک کر دیا۔ یہ اُس کا کپڑا ہے۔ دو تین ساتھی تھے۔ وہ بُری طرح سے زخمی پڑے ہوئے ہیں۔

موہ جیت راجہ ہنسا۔ مجھے لڑکے کے مرنے کا دُکھ نہیں ہے۔ اُس کی ... ہوگی۔ تعجب یہ ہے کہ تم سادھو ہو۔ تم کیوں اپنے اُصول کے ...

یہ خبر سنانے آئے ہو۔ وقت پر خود ہی معلوم ہو جاتا۔ یہ سادھو کے طرز عمل کے بعید ہے۔

سادھو بولے۔ حیرت ہے۔ تم کو اپنے اکلوتے بیٹے کے مرنے کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ موہ جیت نے آنکھیں دکھائیں۔ خیال تو اُسے ہو جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اُس کے مایا جال میں پھنسا ہو۔ یہ مرنے اور مٹنے کی جگہ ہے۔ یہاں لوگ مرتے کھپتے رہتے ہیں۔ جسم تو ہمیشہ ناپائیدار ہے۔ آج نہیں تو کل برباد ہو جائیگا۔ آتما کی موت کب ہوتی ہے۔ میرا خیال اس طرف قطعی نہیں ہے۔

دونوں سادھوؤں نے بیٹھی ہوئی رانی کی طرف نظر کی کہ شاید اس کو اپنے اکلوتے بیٹے کے مرنے کا دکھ ہوا ہو۔ وہ متحیر ہو کر کہہ اُٹھی۔ جیسا بھیس ویسا بھاس! تم سے سادھو بھی نہیں بنا گیا۔ یوں ہی ناحق کپڑے رنگ لیے۔ کوئی گرہستی ایسی خبر لاتا تو کہنے کی بات تھی۔ سادھو اور اس طرح اپنی وضع داری کو جھٹلائے۔ سخت تعجب ہے۔ کیا تم من امت ہو۔ گورو مت نہیں ہو۔

دوہا!

گھر میں رہ الوراگ کر جتا موہ کو تیاگ
سادھ سے انوچت کام ہو مند ہیں اُس کے بھاگ
سادھو تو سادھن کرے آتم درشٹی بن
شکھ دکھ دونوں سم کرے تجے نہ اپنا پن

سادھو بھیا تو کیا بھیا پایا نہیں گورو گیان
اُس سے سنساری بھلا چت نہیں موہ نہ مان

دونوں ان کی باتیں سُن کر اپنی کُٹی کو واپس آئے۔ راج کمار نیند سے جاگ اُٹھا تھا۔ اُنھیں دیکھ کر نمسکار کیا۔ سادھو بولے ہم تمہارے شہر میں گئے تھے۔ وہاں پر سُنا کہ رات کے وقت راجہ رانی دونوں کو کالے ناگ نے ڈس لیا ہے۔ اور وہ مر گئے۔ محل میں ماتم ہو رہا ہے۔ تم جلدی جاؤ۔ راج سنگھاسن پر بیٹھ کر ان کے کریا کرم کا حکم دو۔ شوک جیت کو ان کی باتیں سن کر حیرت ہوئی۔ مسکرایا اور کہہ اُٹھا۔

حیف تم نے کیا کیا۔ صورت فقیرانہ بنا
جیت کوئی کیوں ہو بزدل وضع مردانہ بنا
وضع پر اپنے رہے قایم یہی ہے شان فقیر
تم پھنسے دُنیا میں اُس کے دام بادانا بنا
جام وحدت پی لیا جس نے اُسے کیا فکر ہے
دل ہے اُس کا خود یہاں مے جام و میخانہ بنا
دیکھنے میں تم ہوئے زندیق اور بے فکر اس جگہ
داغ دامن کو لگایا بھیس رندانہ بنا
تم سے دُنیادار اچھے تُم کہاں ہو با اصول
ہو گئے ناپاک ناحق شکل پاکانہ بنا

راودھا سوامی نے کہا اپنی وضع قایم رہو
ہونے دو ہوتا ہے جو کچھ صبر سمتا نابنا

شوک جیت کی صورت سے نہ بے چینی کا اظہار ہوا۔ اور نہ اُسے خوشی ہوئی۔ سادھو تو خاموش ہو گئے۔ یہ اُنھیں حیرت کی نظر سے دیکھتا رہا۔ اتنے میں اُس کے آدمی آ گئے۔ اُس نے اپنا کپڑا پہنا۔ نمسکار کر کے اُن کے ساتھ شہر کا راستہ لیا۔ اپنے کسی آدمی تک کو خبر نہیں دی کہ محل میں کیا حادثہ ہوا ہے۔

دونوں نے موہ جیت اور شوک جیت سے موہ اور شوک جیتنے کا سبق سیکھ کر اور اُن کے عملی مثال سے فایدہ اُٹھا کر اسی وقت جھونپڑے کو چھوڑا اور گھر کی طرف واپسی کا قدم بڑھایا۔

(۳)

راہ میں اہیرنی عورتیں سر پر دودھ دہی کے مٹکے لیے ہوئے شہر کی طرف بیچنے جا رہی تھیں۔ شوک جیت کے دو بچھڑے ہوئے ساتھی گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ گھوڑے اُن کے درمیان سے گزرے۔ یہ گھبرا گئیں۔ سب کے مٹکے سر سے نیچے گر کر ٹوٹ گئے۔ دودھ دہی زمین پر پیوست ہو گیا۔ سب کی سب رونے لگیں۔ اُن کے درمیان ایک حسین عورت تھی۔ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ اہیرنیوں کو رونے کے وقت یہ ہنسی کیسی! دونوں سادھوؤں کو تعجب ہوا۔ وہ

کھڑے ہو گئے اور تسلی دینے لگے۔

اہیر نیاں غصہ میں تھیں۔ اس ہنسنے والی عورت سے سخت لہجہ میں پوچھا۔ "تو ہنستی کیوں ہے!"

رہیرنی نے جواب دیا۔ راج گیا پاٹ گیا۔ شوہر سے چھوٹی۔ جسم نے میرا ناس کیا۔ دھن دولت لوٹی۔ بیٹا مجھ کو بیاہنے آیا۔ دیکھ دیکھ روئی۔ کچھ نہ سوجھی۔ آنسوؤں سے اپنا مُنہ دھوئی۔ اتنے کلیش سہے۔ اب میں روؤں کیسے! کیا ہوا ہاتھ نہ لگے میرے چار پیسے!

اہیر نیاں ناراض ہوئیں۔ اُسے چھوڑ کر چلی گئیں۔ اُس کی بات بھی سُنیں۔ یہ سادھو کچھ کچھ سمجھ گئے۔ بولے۔ مائی۔ ہم اُجین جا رہے ہیں۔ اگر تو ہمارے ساتھ چلے تو ہم تیرے شوہر اور لڑکے کی تلاش کرا دیں گے۔

اہیرنی مسکرا کر جواب دیا۔ زندگی بے شمار مصیبتوں سے گزر چکی ہے۔ دُنیا کے بہت سارے تجربے ہو چکے ہیں۔ اب مجھے کسی نہ موہ ہے اور نہ شوک ہے وہ ملے تو کیا اور نہ ملے تو کیا۔ لیکن تم سادھو ہو۔ اگر ساتھ چلتے ہو تو میں چلتی ہوں۔

وہ سب تیوں ہوئے کئی دنوں بعد یہ سب اُجین میں داخل ہوئے۔ انکی واپسی پر خوشیاں منائی گئیں۔ بھولو بھوتی کسان تو اپنے گھر چلا گیا۔ وہ اکھڑ آدمی تھا۔ راجہ نے اہیرنی کے رہنے کے لئے محل کے قریب ایک مکان خالی کرا دیا۔ اور وہ اُس میں رہنے لگی۔ کھانے پینے کی طرف سے بے فکر ی ہو گئی۔

(۴)

دو چار دن پیچھے راجہ نے کسان کو بُلایا۔ اور اُس کے سامنے اپنی درخواست کی۔ "مائی! تو آج اپنی سرگزشت کی کہانی ہمارے سامنے بیان کر ممکن ہے ہم تیری کچھ مدد کر سکیں"۔

پہلے تو اُسے کچھ پس و پیش ہوا۔ لیکن ان کے اسرار پر زبان کھولی۔

"سُنو۔ میری زندگی پُر اثر واقعات ہے اور کوئی ہوتا تو شاید اُن دُکھوں کا متحمل بھی نہ ہوتا۔ مر جاتا یا دیوانہ بن جاتا۔ میں نے دنیا کے مصیبتوں کا تجربہ کر لیا ہے۔ مجھے آتما کی سمجھ آگئی ہے۔ اور اس گیان نے مجھے بے فکر اور بے تعلق بنا دیا ہے۔ اب دل میں کسی بات کی ہوس نہیں رہی۔ جو حالت گزر گئی وہ خواب سے مشابہ تھی۔ اور اب جس حال میں ہوں۔ وہ بھی میری نظروں میں خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

میں رام پور کی رانی ہوں۔ میرا نام کملا وتی ہے۔ میرا شوہر وجے چند کہلاتا تھا۔ ایک لڑکا تھا۔ وہ شیو شنبھو نام رکھا تھا۔ ہم سب دُنیوی نظر سے خوش گزران تھے۔ ہمسایہ ملک کا راجہ ارجن نے موقع پا کر رام پور پر چڑھائی کر دی۔ میرے شوہر کو شکست ہوئی۔ شہر پر اُس کا قبضہ ہو گیا۔ میں شوہر اور کمسن لڑکے کو گود میں لیے ہوئے بھیس بدل کر بھاگ نکلی اسی سپر ندی سے گزر رہی تھی کہ کشتی اُلٹ گئی۔ ہم تینوں پانی میں ڈوب گئے۔ میں ایک بھیل کے ہاتھ لگی۔ جو ماں کی طرح میری عزت کرتا تھا۔

کئی سال گزر گئے۔ میں پہاڑ پر لکڑیاں چُننے گئی ہوئی تھی

خوب صورت لڑکا میرے پاس آیا۔ اور میرے حسن پر فریفتہ ہو کر شادی کرنے کا خواہش مند ہوا۔ اُس کی صورت میرے لڑکے شیو شنبھو سے مشابہ تھی اسے دیکھ کر میری چھاتی بھر آئی۔ اور دُودھ ٹپکنے لگا میں نے اُسے اپنی چھاتی کا دُودھ دکھا کر کہا۔ "دیکھ! میں تیری ماں ہوں اور تو میرا لڑکا ہے! تو ماں کے ساتھ کیسے شادی کرے گا۔ وہ اس قدر میری باتوں سے شرمندہ ہوا کہ بغیر زیادہ بات چیت کئے ہوئے بھاگ گیا۔ میری خواہش تھی کہ اُس کا حال پوچھوں۔ وہ جو گیا پھر دکھائی نہیں دیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ میرا ہی لڑکا ہوگا۔ گو یقین پختہ نہیں ہے۔

مہاراج! جنگل میں ایک دن ریچھ نے مجھ پر حملہ کیا پکڑ لے گیا۔ ریچھ انسانی عورتوں پہ جان دیتے ہیں۔ وہ مجھے پکڑے ہوئے لئے جا رہا تھا کہ بھیلوں نظر پڑ گئی۔ ریچھ کو مار ڈالا۔ مجھے گھر لے گئے۔ دوا علاج کیا میرے زخم اچھے ہو گئے۔ تب بھیلوں نے مجھے آزاد کر دیا اور میں دھارانگری میں رہ کر دُودھ دہی بیچ کر گزر بسر کرنے لگی۔ میں اہیرنی نہیں ہوں۔ راجپوتنی ہوں۔ قسمت نے یہ دن دکھائے۔ باقی حال آپ خود جانتے ہو اب یہاں آئی ہوں۔

بکرسین نے کہا۔ میں تیرے شوہر کے نام سے واقف ہوں۔ کیا تو جانتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا!

بکرسین: "میں اُس کی اور لڑکے کی تلاش کراتا ہوں"

کملاوتی ہنسی!

کچھ دنوں زندگانی اور ہے ہم نے اپنے من میں ٹھانی اور ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

بجر سین:۔ "مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

کملا وتی:۔ خواہش اور اُمید کے اُمنگ بھی تو دل میں باقی نہیں ہے سمجھ میں آگیا۔ دُنیا ایسی ہی ہے۔ نہ کسی کا خیال ہے اور نہ کوئی آرزو ہی ہے اب مجھے دُکھ بھی تو نہیں ستاتا۔

بجر سین:۔ اگر بچھڑے ہوئے مل جائیں تو کیا حرج ہے۔

کملا وتی:۔ یہ آپ کی مہربانی ہے۔

(۵)

بجر سین نے جا بجا اپنے جاسوس بھیجے۔ چند روز بعد وجے سین اور شیو شمبھو پکڑے ہوئے آئے۔ وجے سین کو بھی دریا میں ڈوبتے وقت بھیلوں نے بچایا تھا۔ اور وہ اُن کے درمیان بھیل کی وضع میں رہتا تھا۔ شیو شمبھو کی بھی یہی کیفیت تھی۔

تینوں ملے۔ شوہر اور لڑکے تو رو پڑے۔ لیکن کملا وتی کا دل دُکھ سہتے سہتے پتھر کا ٹکڑا بن گیا تھا۔ اُس کی آنکھ سے آنسو نہیں نکلے۔ راجہ نے باپ اور بیٹے دونوں کو منصبدار بنا دیا۔ اور وہ سب وہاں رہنے لگے۔ آخر میں کسان نے پوچھا۔ تم نے دیکھ لیا کہ کس طرح آتم درشی موہ اور شوک پر غالب آتا ہے۔

راجہ نے جواب دیا۔ عملی مثال نظر کے سامنے آگئی۔ اس کے بعد

بجز سین آدمی بھیج کر موہ جیت اور شوک جیت سے امتحان کرنے کی معذرت چاہی۔ اور اُن کے درمیان ایک قسم کا رسمی سلسلہ بھی جاری ہو گیا جسکی بنیاد ہوا پر تھی۔

شبد

کس کی ہم چنتا کریں چنتا ہے کب کس کام کی
آتم انجُو ہو گیا سُوجھی ہے اب بسرام کی
آئے ہیں جو جائیں گے رہنے نہیں آیا کوئی
اس دشا میں کیوں ہو چنتا گھر کی اور دھن دھام کی
برہمہ کے اوتار تک رہنے نہیں پائے یہاں
سوچ کر پڑھ لو کہانی اپنے سیتا رام کی
کرشن اور ارجن کہاں ہیں اور ایدھشٹر کیا ہوئے
وہ کتھا ہم کو سُنا دو بدلیو اور بلرام کی
موہ کس کا شوک کس کا رُوپ کو پہچان لو
آتما کی سادھنا ہو تم میں آٹھوں جام کے
یہ جگت استھر نہیں تھرتا نہ پاؤ گے کہاں
کیوں پڑی ہے رات دن تمکو یہ دھوم اور دھام کی
دھنیہ ستگور رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
اب لگن ہے ہم کو نِت دِن رادھا سوامی دھام کا

آٹھواں منتر

جگت آتما

اُس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ وہ پرکاشوان۔ بغیر جسم کا۔ ناقابل فتح۔ بغیر نس ناڑی کا۔ شدھ پاپوں سے بے اثر۔ شاعر عقیل۔

پربھو (محیط کل) سویمبھو (قایم بالذات) اُس نے سب چیزوں کو مناسب طور پر ہمیشہ سال ہا سال سے تقسیم کر رکھا ہے۔

(۱)

توجہ کا رُخ جدھر گیا۔ اُسی طرف نتیجہ خیز نتائج ظہور میں آنے لگتے ہیں۔ راجہ بجرسین کے دل کو روزآنہ حرکت ملنے لگی۔ نئے نئے خیال اُسکے دل میں آنے لگے۔ جس وقت آدمی کسی بات کا دھیان کرتا ہے موافق سازو سامان خود بخود اکٹھا ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ اُن کے جانب مجبوراً مخاطب بھی ہوتا ہے اور اُسے نئی نئی سوجھ بوجھ سوجھنے بھی لگتی ہے۔

وہ غور کرنے لگا۔ یہ آتما کیا ہے اور اُس کے دل میں پے در پے یکے بعد دیگرے گیارہ(۱۱) خیال گزرے۔

نورانی۔ معدوم الجسم۔ ناقابل فتح۔ نس ناڑی کے بغیر۔ پاک۔ بے عیب شاعر۔ عقیل۔ محیط کل۔ قایم بالذات۔ اور اشیا کی مناسب تق

جی میں آیا کسان کو بُلا بھیجے۔ پھر جھجک گیا۔ ہر بات میں گورُ کی محتا جی آدمی خود بھی تو کچھ سوچے سمجھے۔ زراصل تجارت کے لئے مہاجن سے ایک ہی مرتبہ مانگا جاتا ہے۔ اور تجارت کے سلسلہ میں اُس کو ترقی دے کر قرضہ کے واپسی کی تدبیر سوچی جاتی ہے۔ مگر یہ کیا کہ بار بار مہاجن کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ آخر وہ کب تک دیگا۔ اور کہاں تک دیگا۔ یہ تجارت کیا ہوئی یہ تو بلا ہو گئی۔

جو ہوا محتاج غیروں کا وہ کب انسان ہے
وہ ہے حیوانوں سے بدتر کیونکہ وہ نادان ہے
آدمی میں آدمیت چاہیئے یہ ہے اصول
آدمیت سے جو خالی ہے وہ بے سامان ہے
اس میں ہمت حوصلہ ہو عزم میں ثابت قدم
ہو فراغی دل کو حاصل تب بشر ذی شان ہے
جس میں ہے محتاجگی ہو گا زمانہ میں ذلیل
قابل رُتبہ ہے جس میں بڑھنے کا ارمان ہے
غیر ممکن کو کرے ممکن بشر کی یہ صفت
عالم امکان میں ہر بات کا امکان ہے
دھنیہ سنگور رادھا سوامی گیان کا پرچہ دیا
ہے بشر شان رُبوبیت رب کی واحد شان ہے

صُبح کا وقت تھا محل کے چراغ ٹمٹماتے تھے۔ کمرہ کے آتشکدہ میں آگ روشن تھی۔ دونوں نظارے دیکھے۔ بیٹھے بیٹھے سوچا کیا۔ صُبح صادق نمودار ہوئی۔ مشرق کے سمت کا دریچہ کھُلا ہوا تھا۔ دیکھا کہ آہستہ آہستہ سُورج شان کے ساتھ طلوع ہونے لگا ہے۔ پہلے اُس کی روشنی سُرخی مائل تھی۔ رفتہ رفتہ سُرخی کٹتی گئی اور وہ نرالی آب وتاب کے ساتھ چمک اُٹھا۔ نُور کا عالم نظر کے سامنے آگیا۔ واہ واہ! سورج کیا ہے۔ مطلع الانُور۔ منبع الانُور مظہرالانُور۔ اور نُورالانُور ہے۔

راجہ اُس کی طرف مخاطب ہوا۔ اے نُورانی روشنی! یہ نُور تو نے کس سے پایا۔ سُورج کی کرنیں جھجھک اُٹھیں۔ وہ اُن کی زبان سے بولیں۔ نُور نے کس سے نُور پایا۔ یہ عجیب سوال ہے۔ نہ جس کا سرا اور نہ جس کا پیرا کیا تو نہیں جانتا۔ نُور خود نُورانی ہے۔ اگر کسی کو کسی سے نُور ملتا ہوگا تو نُور ہی سے نُور کو نُور ملتا ہوگا۔ نُور تو نُور ہے۔ نُورانی شئے سے نُورانیت کا نُور ظہور میں آتا ہے۔ اور جو نُورانی ہے۔ وہی تو نُور لے سکتا ہے اور نُور کا اکتساب بھی اُسی کی ذات سے ممکن ہے۔ راجہ نے پُوچھا "کیا میں بھی نُور ہوں"؟

سورج نے کرنوں کی زبان سے جواب دیا۔ بہتر ہوتا۔ تو یہ سوال اپنی آنکھوں سے کیا ہوتا۔ وہ آسانی سے سمجھا دیتیں۔ تجھ میں نُور پسندی ہے یہ کیوں ہے! کیوں کہ تیری آنکھوں میں نُور ہے۔ تیری اصل نسل نُور ہے تیری ذات نُورانی ہے۔ تیرے صفات نُورانی ہیں اور تیرے کمالات سر کے

سب نُورانی ہی نُورانی ہیں۔ راجہ کو تعجب ہوا۔ "مجھ میں نُور کہاں ہے۔ اور کس طرح پر ہے؟"

سُورج نے جواب دیا۔ "تو تاریکی کے پردوں کو پھاڑنے کی فکر میں ہے۔ سوائے نُور کے یہ کام کون کر سکتا ہے۔ اگر تجھ میں نُور نہ ہوتا تو تو کس طرح چھُپے ہوئے اندھیرے میں پڑے ہوئے اور تاریکی سے گھرے ہوئے رازِ سربستہ کی گرہ کشائی میں اس طرح مصروف نہ ہوتا۔ تیرا دل نُور ہے۔ جو تاریکی سے ظہور میں آرہا ہے۔ تیری ہستی نُور ہے۔ جو اندھیرے سے عالم شہود میں جلوہ گر ہونے کی خواہش مند ہے۔ تیرا عالم نُور ہے۔ جو جہل مرکب کے قید و بند کو توڑ کر عالم اظہار میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ جو تاریکی سے نکل کر ظاہر ہونا چاہیئے۔ تو وہ نُور کے سوا اور کیا ہوگا۔ اس بات کو سمجھ اور غور کر۔

راجہ نے کہا۔ میں غور کر رہا ہوں۔

سورج بولا۔ یہ نُور بغیر جسم کا ہے اس میں رگ و ریشہ نہیں ہیں۔ اسے کوئی طاقت دبا نہیں سکتی۔ یہ پاک اور مجلّی ہے۔ یہ بے عیب ہے یہ قدرتی اور مادر زاد شاعر کی طرح بلند پرواز۔ اور بلند خیال ہے جو نُور کی نظمیں گاتا رہتا ہے۔ جس طرح میں کرنوں کی زبان سے نغمۂ نُور کو الاپتا رہتا ہوں۔ یہ نُور فطرتی عقیل ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کس ترکیب۔ تدبیر اور ترتیب سے یہ اپنے آپ کو ہر جگہ بکھیر رہا ہے۔ یہ مُحیط کل ہے ہر جگہ اسی کا پسارا اور پھیلاؤ ہے۔ یہ خود بخود قایم بالذات ہے۔ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ کسی کا سہارا ڈھونڈھتا ہے اور یہ مناسب طور پر سب اشیا کو ان کے خواص۔ تاثیر کے تقسیم۔ تفریق۔ ضرب اور جمع کرتا رہتا ہے۔ یہ گیارہ[(11)] باتیں ہیں

جن کا سوال تیرے دل میں پیدا ہوا تھا اور میں نے اختصار کے ساتھ جواب دیدیا۔ راجہ نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا۔ کیا تُو بغیر جسم کا ہے۔ اور تیرے نس ناڑی نہیں ہیں اور کیا تو اُن کے قید و بند میں نہیں ہے۔

سُورج نے جواب دیا:۔ اگر جسم ہے تو وہ بھی نُور اور نُورانی ہے۔ اگر نس اور ناڑیاں ہیں تو وہ بھی نُور اور نُورانی ہی ہیں۔ قید و بند کا سوال نُور کے معاملہ میں بیجا ہے۔

راجہ نے پھر زبان کھولی:۔ نُور نے اشیاء کی تقسیم و تفریق کس صورت میں کی ہے۔

سورج نے کہا:۔ مجھے دیکھ۔ چاند۔ ستارے۔ آگ۔ اپنے گھر کے چراغ اور بجلی کے کوندے کو دیکھ۔ یہ تقسیم اور تفریق کی صُورتیں ہیں۔ اور میں نے تناسب کے ساتھ اُن کے خواص کے موافق سب کو ہمیشہ سے منقسم کر رکھا ہے۔ سب میں میرا ہی نُور ہے اور میں محیطِ کل ہوں۔

راجہ نے سوال کیا:۔ "کیا تو آتما ہے"

سُورج بولا:۔ ہاں میں آتما ہوں۔

پھر راجہ نے پُوچھا:۔ کیا تدبیر ہے کہ جس سے میں اس آتما کو بخوبی سمجھ سکوں۔

سُورج نے جواب دیا۔

نُور کا پُتلا ہے دل کو نُور کا مخزن بنا
اے بشر تاریک و تیرہ دہر کو روشن بنا

پانی:۔ تمہاری اصلیت پانی ہے۔ اور تم پانی ہو۔

راجہ:۔ ثبوت۔

پانی:۔ ثبوت یہ ہے کہ پانی میں کھڑے ہوئے نہا رہے ہو۔ اس سے بہتر ثبوت اور کیا چاہتے ہو۔

راجہ:۔ خوب! ایک نہ شد۔ دو شد۔

پانی:۔ بلکہ سہ شد۔

راجہ:۔ یہ کیسے!

پانی:۔ تم آدمی بنے۔ گورو نے کہا۔ تم چیلے ہو۔ یہ ایک صبح کو سورج نے تم سے کہا۔ تم نور ہو۔ یہ دو! اور اب میں کہہ رہا ہوں کہ تم پانی ہو۔ یہ تین! ایک ہوئے۔ دو ہوئے۔ تین ہوئے۔ اسی طرح گنتی کے پہاڑے گنتے چلو۔ دیکھو۔ کیا کیا بنتے جاتے ہو۔ تمہارے ہزاروں روپ اور ہزاروں نام بنتے چلیں گے۔

ایک میں ایک کی جمعیت ہے
ایک وحدت میں ساری کثرت ہے
ایک میں خیریت تھی جب بھولے
وہم کثرت میں وہم قلت ہے
ایک آیا تو پھر دھائی بنی
لاکھ اور سیکڑوں کی بدعت ہے

وہم ہے ایک اور وہم میں دو چار
وہم سے واہمی کو مصیبت ہے
آدمی ہو تو آدمی بن جاؤ
آدمی کو یہاں فضیلت ہے

راجہ:۔ آدمی کیا ہے۔
پانی:۔ پانی کے سوا آدمی کیا ہوگا۔
راجہ:۔ یہ معمہ ہے۔ تم تو پہیلی بجھانے لگے۔
پانی:۔ "جیسا حال ویسا قال۔ جیسا قال ویسا حال"
راجہ:۔ میں پانی کیسے ہوا۔
پانی:۔ باپ کے دماغ سے پانی کی صورت میں ماں کے حمل میں ٹھہرے۔ پیٹ میں شیر ساگر کا پانی پیا۔ پیٹ سے باہر آئے دودھ کا پانی پیا۔ پانی ہی تمہاری جان ہے۔ پانی ہی غذا ہے۔ پانی سے پیدا ہوئے۔ پانی سے جیئے۔ زندگی بھر پانی پیتے رہے۔ بغیر پانی کے ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتے اور جب مرو گے تب پانی ہی ہو جاؤ گے۔ اس وجہ سے تم پانی کے سوا اور ہو کیا سکتے ہو۔ ابتدا پانی۔ وسط پانی اور انتہا پانی کیا اب بھی تم کو پانی ہونے سے انکار ہے۔
راجہ:۔ بات تو تم سچ کہہ رہے ہو۔ سمجھانے میں اور سمجھنے میں کچھ کسر ہے۔

پانی

آپ پانی ہے اُسی میں آب خود رہتا ہے تاب
دونوں جب شامل ہوئے تب اُس سے نکلا آفتاب

آب میں سیلاب ہے گرداب ہے سیماب ہے
موج قطرہ بھاپ دیکھو دیکھ لو لاکھوں حباب

موتی مونگا لعل سب ٹھوس شکلیں آب کی
آب سے خالی جو ہوتے کیسے پاتے آب و تاب

آب سب کی زندگی ہے آب سب کی آبرو
آنکھوں سے پانی گرا جس کے وہ ہوتا ہے خراب

آبرو محفوظ ہو عزت ملے حرمت ملے
آب سے منہ موڑنے والے کو ہے ہر دم سراب

راجہ: کیا تم نورانی[1]۔ معدوم الجسم[2]۔ بغیر نس ناڑی کے[3]۔ ناقابل[4] فتح۔ پاک[5]۔ پاپوں سے[6] بے اثر۔ شاعر[7]۔ عقیل[8]۔ قائم بالذات[9]۔ اور اشیا[10] کو اُن کے خواص کے مطابق تقسیم اور ترتیب میں رکھنے والے اور محیط کل[11] ہو۔

پانی: عیاں راجہ بیاں۔ ہاتھ کے کنگن کو آرسی کیا۔ ان گیارہ اوصاف
ممنوں

پانی کا آب و تاب آفتاب ہے
پانی کا جسم پانی ہے
پانی کے نس ناڑی پانی ہیں۔

پانی کے زور کو کس نے روکا ہے۔ دُنیا میں تمام زور اور طاقت پانی ہی کے ہیں۔ یہ سب پر غالب ہے۔ اس پر کون غالب آسکتا ہے۔

پانی پاک ہے۔ اُسی کی مدد سے تم اپنے جسم کے کپڑے۔ دل اور دماغ کو پاک کرتے رہتے ہو۔

اس پانی میں پاپ یا عیب کہاں۔ یہ تو پاپ اور عیب کے دھبّوں کو دھوتا ہے۔

یہ پانی شاعر ہے۔ ہر وقت اپنا راگ الاپتا رہتا ہے۔ ذرا پہاڑوں میں جاکر کنکر پتھر سے گزرتے وقت اس کی راگنی سُننے کی عادت ڈالو۔ شاعر کے گلے۔ حلق اور زبان میں پانی کے سوا اور رہتا کیا ہے۔

پانی کے عقیل ہونے میں کس کو شک ہے۔ کیسی عقل کے ساتھ اس نے جابجا ہر مخلوق کے جسم۔ حواس۔ عقل اور تمیز میں جگہ لے رکھی ہے۔

پانی قایم بالذات۔ سوئمبھو (آپ ہو جانے والا) ہے۔ وہی ہر جگہ ہے۔ کہیں منی ہے۔ کہیں خون ہے۔ کہیں چربی ہے۔ آنکھوں میں [illegible] جسم کی طاقت وہی تو سب کچھ ہے اور سب کچھ آپ ہی بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سوئمبھو یا قائم بالذات کہلاتا ہے۔

پانی محیط کل ہے۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ جمادات

پانی کے اور ہے کیا۔ جسے تم خشکی کہتے ہو۔ وہ بھی پانی کی صورت ہے۔ سمندر میں پانی کے متھن سے جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ اسی جھاگ سے زمین بنتی ہے۔ پانی نے اشیاء کو تناسب اور اُن کے خواص کے موافق تقسیم کر رکھا ہے۔ سمندر۔ دریا۔ ندی۔ نالے۔ تالاب کو ایک طرف دیکھو۔ نباتات جمادات۔ حیوانات کو ایک طرف دیکھو۔ خود آپ سمجھ جاؤ گے۔

راجہ:۔ کیا تو آتما ہے؟

پانی:۔ پانی ہی کا دوسرا نام آتما ہے۔

راجہ:۔ کس تدبیر سے میں اس آتما کو خوب ذہن نشین کر لوں۔

پانی

آب سے تو آبرو اپنی بڑھا لے اے بشر
تجھ میں آب و تاب آئے ہو یہ پانی کا اثر
آب کی صورت محیط کل سمجھ لے آب کو
بس سمجھ کا خود بخود آ جائے گا تجھ میں اثر
تو بھلا پانی سے کب ہے پانی تیری ذات ہے
یہ جہاں سیراب تجھ سے ہو رہی ہے تو اگر!
فیض سے شاداب کر دے اپنے عالم کو ابھی
اصلیت کی دے رہا ہوں آج میں تجھ کو خبر
شیب کے اوروں کے دھو اور عیب بینی ترک کر
[illegible] بین تو بنا انفورتہ اپنا نظر

راجہ کی زبان بند۔ پانی غیر متحرک! کم از کم اُسے وحدت کا قیمتی
سبق مل گیا۔ وزیر۔ امیر۔ درباری منتظر کھڑے تھے۔ راجہ کو کیا ہو گیا
جو اس قدر دیر تک پانی میں کھڑا ہوا ہے۔ ان بچاروں کو کیا خبر تھی کہ
وہ وحدت کا دقیق مسئلہ حل کر رہا ہے۔

راجہ۔ پانی سے باہر آیا۔ کپڑے پہنے۔ کھایا۔ پیا۔ اور دربار کو گیا۔

(۴)

شام کے وقت راجہ سے نہ رہا گیا۔ کسان کو بُلا بھیجا۔ اُس کی صورت
دیکھتے ہی اُس نے کہا۔ آج تمہاری شکل نور کے آب و تاب سے تجلی ہے۔
پیشانی پر برہم۔ ورچس کا جلال چمک رہا ہے۔ کیا کسی گیانی کی زبان
برہم گیان کی تقریر سُنی ہے۔

راجہ نے جواب دیا۔ آج مجھے آب اور تاب دونوں نے عجیب و
تعلیم دی ہے۔ لیکن وہ میرے گورو نہیں ہیں۔ اِس لئے اُن کی تعلیم اُس
وقت تک ادھوری اور بے برکت بنی رہے گی جبتک آپ اُسے مکمل اور بارآور
نہ بنائیں گے۔ گیان ہمیشہ گورو کے ماتحت رہتا ہے۔ من متا گیان درست
نہیں ہے۔ گورو متا گیان با وقعت ہوتا ہے۔

کسان نے پوچھا۔ آب و تاب سے تمہاری کیا مُراد ہے۔

راجہ نے جواب دیا۔ حوض کا پانی اور آفتاب کا نور دونوں ہی آج
زبان حال سے ہمکلام ہو رہے تھے۔ سورج نے کہا آتما نور ہے۔ اور حوض
کے پانی نے کہا۔ آتما پانی ہے اور راجہ نے تمام باتیں سُنیں

کسان خوش ہوا۔ اب تم راہ پر آنے لگے۔ نُور اور پانی پر کیا مخصوص ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ آتما ہی آتما ہے۔ آتما ہی نے سب کو گھیر رکھا ہے وہی نُورانی۔ بے جسم۔ ناقابل فتح۔ بغیر نس ناڑی کا۔ پاک۔ بے عیب شاعر۔ عقیل۔ خود سب کچھ ہو جانے والا۔ اور سب کی مناسب تقسیم کرنے والا ہے۔

راجہ:۔ سُورج اور پانی کی باتوں کو میں کیا سمجھوں۔

کسان:۔ وحدت الوجُود کی بدیہی اور صریح مثال انھیں سمجھو۔ یہ آتما سے کبھی خالی نہیں ہیں۔ وہی سوئمبھو (آپ ہو جانے والا) سب کچھ بنا ہُوا ہے سُورج اُسی کے زیر اثر چمکتا ہے اور پانی اُسی کے حکم سے لہراتا ہے۔ وہ خود رُوح بن کر ان میں داخل ہے۔

راجہ:۔ اس معاملہ میں میری تسلی ہو گئی۔

کسان نے اُسی وقت وحدت کا یہ نغمہ گایا۔

جدھر آنکھ کھولی اُدھر تجھ کو پایا
کہیں نُور ہے تو کہیں شکل سایا
کہیں لکڑیوں کی رگڑ سے ہے آتش
کہیں آب آنکھوں سے آنسو بہایا
بُن و بیخ برگ و ثمر نخل تر ہے
حنا میں کہیں سُرخی کا رنگ لایا

خُدا ہے خُدائی خُدائی خُدا ہے
خُدا خود ہوا آپ جب خود ہی آیا
وہی سب میں ہے اور وہی آپ سب میں آیا
پتا عقل و دل نے کہاں اُس کا پایا

شبد

رادھا سوامی ماں ہیں میرے رادھا سوامی باپ ہیں
رادھا سوامی مترگورُ و سمبندھی سب کچھ آپ ہیں
رادھا سوامی کرم بھگتی رادھا سوامی گیان ہیں
رادھا سوامی دھیان سُمرن اور بھجن انوبان ہیں
رادھا سوامی شِدھی شکتی پرم پد اور مکت ہیں
رادھا سوامی سادھنا ہیں جوگ ہیں اور جگتی ہیں
رادھا سوامی کرتا دھرتا رادھا سوامی اِشٹ پدھ
رادھا سوامی سندھ سدگتی تال جھیل اور کوپ ہیں
دھنیہ ستگورُ رادھا سوامی گیان کا پد چپ دیا
رادھا سوامی کی دیا سے نام امرت کو پیا

نواں منتر

گیان پرستی اگیان پرستی

گھرے اندھیرے میں وہ داخل ہوتے ہیں۔ جو اگیان کو پوجتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ گھُپ اندھیرے میں وہ جاتے ہیں۔ جو گیان سے خوش ہوتے ہیں۔

(۱)

گیان اچھا اگیان بُرا ہے۔ اگیانی بننا عیب ہے گیانی بننا تعریف کی بات ہے۔ یہ لوگوں کا عام خیال ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ لیکن گیانی بننا بھی عیب میں داخل ہے۔ جسے کمتر لوگ سمجھتے ہیں۔

راجہ کی آنکھیں بہت کچھ کھُل گئیں۔ اُسے گیان مل گیا اور وہ خوشی سے پھُولا نہیں سماتا تھا۔ کسان نے بھی اُس کے خوشی کے جذبے کو یہ کہہ کر مزید تقویت دی تھی کہ تیری پیشانی سے برہم ورچس کا نُور جھلک رہا ہے۔ جس شاگرد کی تعریف اُس کا گورو کرے۔ اُسے خوشی کیوں نہ ملے۔ اور پھر برہم گیان کی خوشی کا کیا کہنا ہے۔

راجہ میں ایک قسم کی مستی سی آگئی۔ جو کئی دنوں تک برابر قایم رہی ...کی توجہ کا رُخ زیادہ تر اسی گیان کے جانب رہنے لگا۔

درباریوں کو راجہ کی یہ مستی پسند نہیں آئی۔ کیوں کہ وہ ظاہراً شراب کے نشہ سے مشابہ تھی۔ مخموریت اچھی کب ہے۔ نشہ کی حالت میں رات دن رہنا دانا آدمی کا کام نہیں ہے۔ یہ نادانی بلکہ سخت نادانی کی حرکت ہے یہ دھوکا ہے۔ اگیان ہے۔ فریب ہے۔ آب نہیں بلکہ سراب ہے۔

وزیر نے کسان سے جا کر شکایت کی۔ پہلے کون اُس کی عزت کرتا تھا! کسان تو کسان! پڑھے لکھے درباری، منصبدار کسانوں کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ لیکن راجہ کے گورو ہونے سے اب سب لوگ اُس کی تعظیم کرنے لگے تھے۔ لیکن اُس کسان نے نہ کبھی اپنے پیشہ کے کام میں کمی آنے دی اور نہ اپنی وضع ہی تبدیل کی۔ وہ معمولی حیثیت میں پہلے کی طرح رہتا تھا۔ اور راجہ کی گورو بھگتی کی بھی کوئی وقعت نہیں کرتا تھا۔ جب اُس نے راجہ کی نشیلی مستی کا حال سُنا تو اُسی وقت محل میں چلا آیا۔ راجہ نے کسان کو نمسکار کیا اور کسان نے راجہ کو دُعا دی۔

کسان نے پوچھا کیا حال ہے!

راجہ نے جواب دیا۔ آپ کی بےحد فضل اور عنایت ہے۔ مجھے وہ خوشی ملی جو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ خوشی شاید اندر یا پرجاپتی کو بھی حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔

کسان:۔ کیوں؟

راجہ:۔ کیوں کہ مجھے گیان مل گیا۔ گیان سے بڑھ کر

نعمت نہیں ہے۔

کسان۔ گیان کیا چیز ہے۔ جو تجھے ملا ہے۔

راجہ:۔ گیان کہتے ہیں جاننے کو۔ مجھے برہم۔ کی۔ ایش کی۔ اور آتما کی اصلیت۔ حقیقت اور ماہیت کا علم ہو گیا ہے۔

کسان:۔ تم نے یہ گیان کس سے یا کس کی مدد سے حاصل کیا ہے۔

راجہ:۔ آپ کی مہربانی کی مدد اور عقل سے حاصل کیا ہے۔

کسان:۔ کیا یہ گیان عقل کے ماتحت ہے۔ کیا یہ گیان میری مدد سے ملا ہے۔ اور کیا یہ گیان پہلے تجھ میں نہیں تھا۔

راجہ نے دل میں غور کیا:۔ گیان مجھ میں پہلے بھی تھا۔ لیکن اگیان کے پردہ میں چھپا ہوا تھا۔ آپ کی مہربانی اور عقل کی مدد سے یہ مجھے حاصل ہو گیا ہے۔

کسان:۔ جب یہ تم میں پہلے ہی سے موجود تھا تو میری مہربانی اور عقل کی مدد کیسی! یہ تو ملا ہوا ہی تھا۔ ہمیشہ حاصل تھا۔ پھر تجھے اس کا زعم کیوں ہے۔

راجہ نے سوچا:۔ حاصل شدہ شئے حاصل ہو گئی۔

کسان:۔ پھر تم کو اس کا زعم کیوں ہے! یہ معمولی سی بات ہے۔ اور اس معمولی بات کو تم اس قدر وقعت کیوں دیتے ہو۔

راجہ:۔ خاموش ہو رہا۔

کسان نے کہا:۔ جاننا عقل کے تابع ہے اور دل کی توجہ کا محتاج ہے۔ اگر تم اس جاننے ہی کو سب کچھ مان بیٹھے ہو اور تمہاری نظر میں یہ جاننا ہے تو تم دھوکا کھا گئے اور سخت اندھیرے میں پڑ گئے۔

راجہ کے لب پر سکوت کی مہر لگ گئی۔

کِسان بولا:۔ تم کو ابھی تک گیان نہیں ملا۔ تم اگیانی سے بھی بد تر ہو گئے ہو۔ تم گیانی نہیں ہوئے۔ بلکہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ اگیانی بن گئے اور یہ حالت پسندیدہ نہیں ہے۔

راجہ:۔ کیوں!

کِسان۔ غلط راستہ اختیار کیا گیا۔

راجہ:۔ مجھے سب میں آتما نظر آتا ہے۔ آپ میں مجھ میں اور تمام جگت میں۔ سورج۔ پانی۔ مٹی۔ ہوا۔ اور ذرہ ذرہ میں وہی دکھائی دے رہا ہے۔

کِسان:۔ یہ سچ ہوگا۔ لیکن گیان دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ اور آتما دیکھنے۔ سُننے۔ جاننے بُوجھنے کی رعایت سے بہت اُونچا ہے۔ دیوتاؤں کی اُس تک رسائی نہیں ہے۔ دیوتا عقل۔ دل اور حواس وغیرہ ہیں۔ وہ ان کی پہونچ سے بُلند ہے۔

راجہ:۔ پھر مجھ کو کیا ملا۔

کِسان:۔ ڈھاک کے تین پات! دُھول اور مٹی! ہیرے جواہرات کو چھوڑ کر تم نے کانچ کے ٹکڑوں کو حاصل کیا ہے۔ گیان تو تم کو ملا نہیں۔ اگیان ہی ملا۔ پہلے بھی اگیانی تھے۔ اور اب بھی اگیانی ہو۔ اگر سچ پُوچھو تو پہلے سے بھی بد تر ہو گئے۔

راجہ:۔ آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

کِ ان: جب تم میری معمولی بات کو نہیں سمجھتے تو پھر آتما کو کیسے سمجھ گئے۔ حالانکہ میں بار بار کہتا اور سمجھاتا چلا آرہا ہوں کہ آتما سمجھ بُوجھ سے پرے ہے۔ عقل اسے پکڑنے دوڑتی ہے۔ وہ اُس سے آگے نکل جاتا ہے وہ من سے بھی زیادہ تیز ہے۔ من اُسے ہاتھ میں لانے کی خواہش کرتا ہے اور وہ اُسے پیچھے چھوڑ کر سو گز آگے نکل جاتا ہے۔

راجہ: پھر یہ کیا ہے جو مجھے ملا ہے!

کِ ان کے دِل میں رحم اور فضل۔ مہر اور عنایت کا جذبہ لہرانے لگا۔ کوئی گورو اپنے چیلے کو بھرم میں نہیں رکھتا۔ راجہ کے دل میں پریشانیوں کا گزر ہونے لگا۔ کِ ان نے اُسے دیکھا ہنس کر جواب دیا۔

سُنو راجہ! تم کو صرف لفظی گیان اور شبد کا علم ہوا ہے۔ اصلیت کا علم یا اصلی گیان ابھی تک نہیں ملا ہے۔ شبد گیان لفاظی کا سامان ہے۔ جو زعم۔ غرور اور خود پسندی کے جذبہ کو اُبھار دیتا ہے۔ آدمی بات بنانا سیکھ جاتا ہے۔ دوسروں کو ممکن ہے وہ اپنی دلیل اور حجت سے لاجواب کردے لیکن اُس میں یہ بہت بڑا نقص آجاتا ہے کہ اپنے کو گیانی اور دوسروں کو اگیانی تصور کر کے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنے کی عادت سیکھ جاتا ہے اور چھوٹے گیان کے خوشی کے نشہ میں چُور ہو کر مہا اگیانی بن جاتا ہے۔ اور گہرے سے گہرے اندھیرے خندق میں مُنہ کے بل گر جاتا ہے دیکھو! اس وقت تمہاری وہی حالت ہے یا نہیں!

راجہ کو جواب دینے میں تامل ہوا۔

کِ ان نے خود ہی کہا۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں نے آتما کو جان لیا ہے۔ اُس نے ذرا کچھ بھی نہیں جانا۔ کیوں کہ آتما جاننے کی رعایت سے بری ہے۔

بلکہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں آتما کو نہیں جانتا۔ وہ ایک طرح پر حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ اور آتم گیان سے زیادہ قریب ہے۔

جو نہیں اقرار کرتے میں ہے کیا جانے کوئی
جب ہوا انکار پھر کس طرح اُسے مانے کوئی
حق کو حق جو کہہ رہا ہے غیر سمجھا ہے اُسے
حق کو جو ناحق کہے پھر کیسے پہچانے کوئی

راجہ سخت پشچاتاپ میں پڑ گیا۔

کسان نے زبان کھولی، کوئی آدمی آتم جگیاسو (محقق) بن کر کسی رشی کے پاس گیا پوچھا۔ آتم اگیان کیا ہے۔ رشی چپ ہو رہا۔ اُس نے دوسرے۔ تیسرے۔ چوتھے مرتبہ پھر وہی سوال کیا۔ رشی خاموش رہا۔ اور اپنی زبان کو حرکت نہیں دی جب وہ پھر اصرار کرنے لگا۔ کہ آپ کچھ تو آتما کا بیان کیجئے۔ تب رشی نے کہا۔ بھائی! میں نے تجھے معقول جواب دیدیا ہے۔ تو نے نہیں سمجھا۔ میں کروں تو کیا کروں۔ آتما کا جواب خاموشی اور سکوت ہے۔

عقل کو جرأت نہیں کہنے کی غافل کیا کہے
دل نہیں جا سکتا پھر دل والا بادل کیا کہے
علم پردہ بن گیا عالم گھرا ہے جہل سے
اُس کو عالم کیا کہے اور اُس کو جاہل کیا کہے

کوششوں سے محنتوں سے ہاتھ میں آتا نہیں
کوئی شاغل کیا کہے اور کوئی عامل کیا کہے
کیا ہے حق! اظہار میں حق کے ہے تامل ہے بڑا
ایسی مجبوری میں تم بتلاؤ کامل کیا کہے
بات کا پھیلا بھنگڑا بات سب کہنے لگے
کاہلی جب آ گئی دِل میں تو کاہل کیا کہے
چپ رہو خاموشی میں ملتا بڑھکر مزہ عنا سمجھ
انجو جس کو ہو گیا گونگی زباں اب کیا کہے
رادھا سوامی نے کہا خاموش رہنا ہے بھلا
اِندریاں اور من نہیں جا سکتا بامن کیا کہے

راجہ خاموش! کسان چپ! دونوں کچھ دیر تک اسی حالت میں رہے۔ آخر راجہ کی سمجھ میں کچھ کچھ حقیقت کے علم کا عکس پڑنے لگا۔

راجہ نے تامل کے بعد اپنی زبان کھولی! ایکم۔ اکھنڈم۔ ادّویتم کیولم۔ ویاپتم۔ کیا یہ آتما کی تعریف نہیں ہے۔

کسان: اگر وہ ایک ہے تو کہنے والا اُسے ایک کہتا کیسے ہے۔ ایک میں ایک کی گفتگو کیسی! کیا وہ اُس سے جُدا ہے۔ پھر وہ ایک تو نہیں رہا۔ اگر وہ ادویتہ ہے (لاثانی ہے) دُوسرا کوئی نہیں ہے تو یہ ادویتہ کہنے والا خود دوسرا بنا جاتا ہے! اگر وہ اکھنڈ ہے۔ اور ... سے بری ہے۔ تو یہ گفتگو کرنے والا اُس میں کل اور جزو کی

دو مدات قایم کر رہا ہے۔ اگر وہ کیول (اکیلا) ہی ہے تو زبان کو اقرار کرنے کی جرأت کیسے ہو رہی ہے اور اگر وہ ویاپت ہے (محیط کل) ہے تو یہ بولنے والا اُس سے جُدا ہوا جاتا ہے۔ گویہ آتما کی تعریف ہو۔ اس سے انکار کیسے ہے۔ لیکن یہ سمجھ بوجھ کر خاموش ہو رہنے کا مضمون ہے۔ توحید کی دلیل توحید کی رد ہے۔

راجہ:۔ آپ نے بڑی مہربانی کی۔ مجھے گمراہی سے بچا لیا۔

کسان:۔ تم نے یہ کیا کیا۔ الفاظ کے مغالطوں میں پڑکر سلطنت کے کاروبار چھوڑ بیٹھے۔ اب اُٹھو کام کاج میں لگو۔ میں شام کے وقت آکر تم کو اگیان کا مضمون ذہن نشین کراؤں گا۔

(۳)

شام کے وقت بھوبھوتی بغیر بُلائے ہوئے محل میں آیا۔ گورو اور چیلے اکانت میں بیٹھے۔

راجہ نے کہا:۔ آپ نے شام کے وقت گیان اور اگیان کے مضمون ذہن نشین کرانے کا وعدہ کیا تھا۔

کسان بولا:۔ اُسی غرض سے میں آیا ہوں۔

راجہ:۔ گیان کیا ہے اور اگیان کیا ہے۔

کسان:۔ گیان رُوپ ہے۔ ذات ہے۔ جس کے سہارے جاننے بوجھنے۔ سمجھنے وچارنے کے سلسلہ کا اہتمام رہتا ہے۔ وہ گیان ہے۔ اور جو اس کے برعکس عکسی صورتوں کا کام ہوتا ہے۔ وہ اگیان

جو اگیان ہے وہ تاریکی میں رہتا ہے۔ اور اگیان کا پرستار ہے۔ جس نے گیان کی تعریفیں اور بعض اصطلاحات کو سُنکر۔ جان کر۔ مان کر اُن کی مُرادوں میں خوشی تلاش کرتا رہتا ہے۔ وہ اگیانی سے بھی زیادہ اندھیرے میں رہتا ہے۔

گیان کا انبھو ہو اور پھر انسانی فطرت کے بموجب گیان کی عملی زندگی بسر کرے وہ گیانی ہے اور جسے اُس کا انبھو نہ ہو اور تاریکی میں رہنے والے حیوانوں کی سی زندگی بسر کرے وہ اگیانی ہے۔

گیانی اور اگیانی میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ بیوہار میں دونوں یکساں ہوتے ہیں۔ دونوں کھاتے پیتے اور بھوگ ولاس کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ گیانی سب کے ساتھ ملا جُلا ہوا بھی اسنگ رہتا ہے اور اگیانی ملا جلا ہُوا لپٹا رہتا ہے۔

گیان سُکھ سُروپ ہے اور اگیان دُکھ کا رُوپ ہے۔ گیانی دنیا کے واقعات۔ حالات۔ اور حادثات سے گھبراتا نہیں۔ اور اگیانی گھبرا جاتا ہے اُسے سُکھ ہے اِسے دُکھ ہے۔ وہ آزاد ہے اور یہ مقید رہتا ہے۔ گیان انبھو باجس باطن محض ہے۔ اگیان انبھو یا جس باطن نہیں ہے بلکہ اندریوں کا گیان ہے۔

راجہ :- یہ گیان کیسے ہوتا ہے۔

رِک ان :- انبھو من ہی کو ہوتا ہے۔ من جو آتما سے قریب ہے اس کے عکس ہو رہتا ہے اور سم درشی بن جاتا ہے۔ جس کی نظر میں

تمام جگت آتما ہی آتما ہے۔ اور آپ خود آتما ہے۔ من اس انجُھو کو پا کر اس کا ساکشاتکار (عین الیقین) کر کے اُس کی شکل کا بن جاتا ہے۔ تب اس رعایت سے آدمی گیانی کہلاتا ہے۔

راجہ:۔ لفظی گیان کیسے ہوتا ہے۔

کِسان:۔ یہ گیان بھی من ہی کو ہوتا ہے۔ لیکن لفظی گیان انجُھو نہیں ہے۔ وہ اِندریوں کی سمجھ بُوجھ ہے۔ اُس سے ساکشاتکار نہیں ہوتا۔ بلکہ من بات چیت۔ قیل و قال اور زبانی جمع خرچ میں پڑا ہوا۔ اُسی کو گیان سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور دھوکا کھا جاتا ہے۔

راجہ:۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ حال ہو اور قال نہ ہو۔

کِسان:۔ حال۔ قال۔ خیال سب ہی رہیں۔ اس بات کا مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن من کا مقام بدل جائے۔ اسے آتما کے ساتھ تداتم سمبندھ ہو جائے۔ اور اپنے رُوپ میں استھتی رہے۔ اگر حال سے تمہاری یہ مُراد ہے تو حال ہو اور قال نہ ہو۔

راجہ:۔ اس نظر سے دو گیانی ہوئے۔ ایک حالی گیانی اور دوسرا قالی گیانی۔

کِسان:۔ ان لفظوں کے استعمال کرنے سے اگر تم اصلی مُراد سے دُور نہیں جاتے ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

راجہ:۔ میں حجتی اور قالی نہیں تھا۔ بلکہ مجھ پر حالت طاری کی گئی تھی۔ اور میں اُس میں خوش تھا۔

کِسان:۔ اسی حالت کی خوشی اگیان ہی کی کیفیت تھی۔ وہ صرف عارضی جذبہ تھا۔ تم اُس کے زیر اثر ہو گئے ہو۔ اور اُسی میں متفرق رہنے کی ٹھانی لی ہے۔ اس لیئے سلطنت کے کاروبار کی طرف سے عدم توجہ ہو گئی ہے یہ کیفیت گیانیوں کی نہیں ہوتی۔ گیان کی خوشی اگیان ہے۔ گیانی کی نظر میں سُکھ دُکھ یکساں ہوتے ہیں۔

راجہ:۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ گیانی ایک طرف ہو کر نہ رہے بیوہار پرتی بھاس اور پرمارتھ میں اُس کی کیفیت یکساں رہے۔ نہ وہ دُکھ کے زیر اثر آئے اور نہ سُکھ کے زیر اثر

کِسان:۔ شم درشی ہو۔

راجہ:۔ میں سمجھ گیا۔ شاید اب ایسی غلطی مجھ سے نہ ہو گی۔

کِسان:۔ تم اس وقت یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ یہ سب عارضی خیالات ہیں۔ جب اصلی کیفیت آجاتی ہے تب کی بات کوئی نہیں کہہ سکتا۔

راجہ:۔ لیکن اگر کوئی خالی گیانی ہوتا ہے تو اس میں ہرج کیا ہے! کہتے سنتے رہنے سے کبھی نہ کبھی اصلی گیان کے اوصاف اُس میں آجائیں گے پہلے خیال آتا ہے۔ پھر خال آجاتا ہے۔ اسکے بعد حال آجاتا ہے۔

کِسان:۔ اس کا امکان تو ہے۔ لیکن اس قسم کے تالی گیانی مشکل سے حالی گیانی بنتے ہیں۔ عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ سُنی سُنائی باتوں کو دُوہراتے رہتے ہیں۔ اپنے کو گیانی

سمجھ کر دوسروں کو اگیانی تصور کرتے ہیں اور اُنھیں حقیر سمجھتے ہیں۔ متعصب۔ کٹر اور تنگدل اس قدر ہو جاتے ہیں کہ اپنی بات کے تقویت دینے میں سوا، دلیل گھڑنے اور حجت کرنے کے اُنھیں اور کسی بات کا خیال ہی نہیں رہتا۔ یہ نہایت خطرے کی بات ہے۔ جو اِدھر جھکا وہ بُری طرح سے مارا گیا۔

(۳)

راجہ۔ "ذہنی گیان بے شک خطرناک ہے۔ میں اسے مان گیا"

کسان۔ سنو۔ میں تم کو ایک کہانی سناتا ہوں۔

کسی گاؤں میں ایک برہمن رہتا تھا۔ کبھی اُسے آتم وادیوں کی صحبت میں رہنے کا موقع مل گیا۔ اُس نے کہیں اُن سے سُن لیا تھا کہ سب آتما ہی آتما ہے اور اپنے کو خاص کر وہ آتما ہی کہنے لگا تھا۔

اُس نے ایک باغ لگایا۔ اُسے بیل بوٹوں، روش، کیاریوں، حوض اور نالیوں سے آراستہ کیا۔ بیچ میں خوشنما بارہ دری بنوائی۔ جو بڑا آدمی وہاں آتا۔ وہ خوش ہو کر یہ سب چیزیں اُسے دکھاتا اور اُن کی تعریف سے بہت خوش ہوا کرتا تھا۔

حقیقت میں باغ آراستہ پیراستہ۔ خوشنما اور قابل دید تھا۔ بارہ دری اور حوض سنگ مرمر کے تھے۔ اور اچھے ہوشیار کاریگروں سے بنوائے گئے تھے۔ باغ کے چاروں طرف چہار دیواری تھی۔ آنے کے لئے صرف ایک ہی پھاٹک تھا۔

ایسا اتفاق ہوا کہ کسی شخص کی گائے کا بچھڑا پھاٹک کے کھلے رہنے پر باغ میں داخل ہو گیا۔ کئی نوخیز پودے چر گیا۔ برہمن نے اُسے دیکھ لیا۔ غصہ میں آ گیا۔ غیض و غضب کی حالت میں بچھڑے کی ڈنڈے سے خبر لی۔ بچھڑا مر گیا۔ گاؤں میں شور مچ گیا کہ برہمن نے گوہتا کی ہے۔ جو شخص گائے بیل یا گائے کے بچھڑے کو مارتا ہے وہ پاپی سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ کا کوئی پانی تک نہیں پیتا۔ اور جب تک وہ تیرتھ ورت کر کے پرایشچت نہ کرے تب تک نہ وہ برادری میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ کوئی اُسے چھوتا ہے۔

گائے کے بچھڑے مرنے پر گاؤں والوں نے پنچایت کی کہ اسے پرایشچت کے لئے مجبور کیا جائے۔ برہمن بڑا آدمی تھا اور بڑے آدمی سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ لیکن پنچایت کے سامنے وہ کیا کر سکتا تھا۔ پنچایت میں آیا۔ سرپنچ نے اُسے سب کے سامنے پرایشچت کرنے کی ہدایت کی۔

برہمن نے بچھڑے کے مارنے سے انکار کیا۔ گواہ طلب ہوئے اور اُن کی شہادت سے اُس کا مارنا ثابت ہو گیا۔ گاؤں والوں نے سختی کرنا چاہا۔ برہمن بولا۔ جس کا جی چاہے میرے ساتھ شاستراتھ کر لے۔ میں نے بچھڑے کو نہیں مارا ہے۔

سرپنچ نے کہا۔ اگر تو نے نہیں مارا تو بچھڑا مرا کیوں!

برہمن نے جواب دیا۔ کسی اور نے مارا ہوگا۔

سرپنچ:۔ وہ اندر کون ہے۔!

برہمن:۔ وہ اندر دیوتا ہے۔

سیدھے سادھے دیہاتی اس بات کو سن کر دنگ رہ گئے۔ وہ اندر دیوتا کو کیا سمجھتے ہیں اور اُسے شہادت کے لئے کیسے طلب کریں۔

سرپنچ:۔ اس کا ثبوت کیا ہے کہ بچھڑے کو اندر نے مارا ہے۔ اُسے مارتے ہوئے کس نے دیکھا ہے۔

میں ساکشی رُوپ آتما ہوں۔ میں نے دیکھا ہے اور میں شہادت دے رہا ہوں۔

سرپنچ:۔ اول تو اندر کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ اُس سے ہم کو کوئی غرض ہے۔ مجرم تم ہو۔ الزام تم پر لگایا گیا ہے۔ مجرم اور ملزم کی شہادت کون سنتا ہے۔

براہمن:۔ تم مُورکھ اگیانی ہو۔ تم کو تو اتنا سمجھ ہے نہیں کہ آتما نرلیپ بے عیب۔ اکرتک اور آدھار ماتر ہے۔ اسی کے آسرے تمام سنسار کا کھیل ہو رہا ہے۔ میں آتما ہوں۔

"ایم آتما برہمہ" مجھ کو تم مجرم بنانے آئے ہو۔

سرپنچ کو مُورکھ کا لفظ سُن کر طیش آگیا۔ اُس نے کہا۔ یا تو تم پرائشچت کرو۔ ورنہ گاؤں کی برادری سے خارج! اور اگر اندر دیوتا کوئی چیز ہے تو اُسے میری پنچایت میں حاضر کرو۔ تاکہ تمہاری برات۔۔۔

براہمن:۔ مُورکھ! آتما کسی کو کب بُلاتا ہے۔۔۔

ہے۔ میں آتما ہوں۔ "اہم آتم آسی" آنکھ میں سورج رہتا ہے۔ زبان پر سرسوتی رہتی ہے۔ اندری میں برہما۔ ہردے میں شیو۔ ناؔبھی میں وشنو رہتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ میں اندر دیوتا رہتا ہے۔ اور اُسی نے بچھڑے کو مارا ہے۔

میں آتما ہوں: آزاد! نہ مجھے کوئی مار سکتا ہے اور نہ میں کسی کو مارتا ہوں۔ یہ جھوٹا اور بے بنیاد الزام ہے۔ آتما نردوش اور (بے عیب ہے)

سرپنچ بچارا اس غیر معمولی منطق کو سُن کر دم بخود ہو گیا۔ دو مرتبہ مُورکھ بنا۔ اب تیسرے مرتبہ اس لفظ کے سُننے کی خواہش نہیں رہی اپنا فیصلہ سُنا دیا

یا تو پراشچت کرو۔ یا ہمیشہ کے لئے برادری سے خارج!

پنچایت برخواست ہو گئی۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اکثر ملنے جلنے والے لوگ روزانہ مجرم برہمن کو ہدایت کیا کرتے تھے۔ کہ وہ پراشچت کر لے۔ برہمن کا عذر تھا۔ کہ مارنے والا اندر ہے۔ میں آتما ہوں۔ آتما کہاں کرم کرتا ہے۔ جا بجا اندر کے مجرم ہونے کا چرچا ہونے لگا۔ چھوٹے بڑے سب کی زبان پر اکثر یہی تذکرہ رہتا تھا۔

اندر دیوتا نے دیکھا کہ ناکردہ گناہ تمام آدمی مجھے ہی مجرم قرار دے رہے ہیں۔ تنگ آکر اُس نے امیر آدمی کا بھیس بنا لیا اور زرق برق پوشاک پہن کر باغ کے پھاٹک پر آ گیا۔ مالی نے بڑا آدمی سمجھ کر پھاٹک کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا برہمن نے سُنا کہ کوئی بہت بڑا آدمی باغ دیکھنے آیا ہے جھٹ پٹ اُس نے کپڑے پہنے اور باغ میں آ موجود ہوا۔ دو نو ملے۔

... نے کہا "واہ! واہ! کیسا اچھا باغ کسی نے لگایا ہے۔"

برہمن بول اُٹھا۔ باغ لگانے والا میں ہی ہوں"۔

اندر:۔ گویا باغ تمہارا ہو۔ مگر نقشہ کسی اچھے انجنیر نے بنایا ہوگا۔

براہمن بولا۔ نقشہ بھی میں نے ہی خود بنایا ہے۔ یہ میرے ہی دماغ کی اصلی اُپج ہے۔

اندر:۔ یہ بھی سہی! مگر ایسے اچھے درخت تو تم نے نہ لگائے ہوں گے۔ یہ تو کسی اچھے ہوشیار مالی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ کیسے اچھے قرینہ سے بیل بوٹے لگے ہیں۔

براہمن:۔ اجی! ان کو بھی میں نے ہی خود اپنے ہاتھوں سے لگائے ہیں۔

اندر:۔ یہ خوشنما حوض!

براہمن:۔ اس کا بنانے والا میں خود آپ ہوں۔

اندر:۔ یہ خوبصورت مضبوط بارہ دری۔

براہمن:۔ یہ بھی میری ہی ایجاد اور اختراع ہے اور میرے ہی ہاتھ کی تعمیر ہے۔ اندر نے غصہ کی نظر سے دیکھا۔ آنکھ سے بجلی کے کوندے نکلنے لگے۔ یہ سب کام تو تم نے اور تمہارے ہاتھ نے کیا۔ اور بچھڑے کا مارنے والا میں اندر ہوا۔ میں اندر ہوں۔ جاؤ پرائشچت کرو۔ مجھے مجرم اور ملزم بنانے کی گفتگو چھوڑ دو ورنہ ابھی تمہارے سر پر بجلی گرا کر تمہیں ہلاک کر دیتا ہوں۔ تم بڑے گیانی بن کر آئے ہو۔ سمجھ بوجھ خاک نہیں ؟ تم آتما ہوئے۔ اور تمہارے سوا کوئی آتما نہیں۔

اندر کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔ بجلی کی طرح چمکنے لگا۔ برہمن ڈر گیا۔ پیشاب کر دیا۔ اور خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا اور

اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا سرپنچ کے پاس جا کر پرایشچت کرنے کی نیت ظاہر کی۔

آج کل کے آتم گیانی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جگت کو کاگ بشٹا کہتے ہیں۔ اور اُس کاگ وِشٹا پر مُنہ مارتے رہتے ہیں۔ اور اُسے چٹ کر جاتے ہیں۔

اے راجہ!۔ زبانی جمع خرچ کرنے والا آتم گیانی کبھی ہو نہیں سکتا۔

راجہ:۔ بھگوان! اب میری تسلی ہو گئی! اب کبھی ایسا نہ ہو گا۔ اور بان اُسی وقت محل سے گھر چلا آیا۔

شبد

اندریوں کا گیان جگ بیوہار میں پرمان ہے
سوچنا من کا سمجھ لینا وہی انوُمان ہے
ساکشی کے شبد کا جو گیان ہوتا ہے تمہیں
وہ سدا اپنے تمہارے رُوپ ہی کا گیان ہے
تم نے دیکھا جاگنے پر سپن میں من نے بھنسیا
سُکھ پتی سے اُٹھ کے تم بولے یہ شبد مہان ہے
تین گیانوں میں تم ہی ہو اس میں کچھ سنشے نہیں
جو اسے سمجھے وہی سنسار میں گنوان ہے
جا کے ست سنگ میں گورو کے آتما کی لو پرکھ
جانو پانی دُودھ کو پانی اگر پہچان ہے

کرم کو کرتے رہو بے بیکام رہنا ہے بُرا
کرم میں ہے لابھ اور اس سے سدا کلیان ہے
دھنیہ ستگورو رادھا سوامی گیان کا پرچے دیا
یہ سمجھ میں آ گیا متھیا یہ واچک گیان ہو

دسواں فقرہ

گیان اگیان دونوں سے مختلف

کہا جاتا ہے فی الحقیقت گیان سے اور دوسرا کہا جاتا ہے اگیان سے۔
ہم نے دھیر پرشوں (گیانیوں) سے ایسا ہی سُنا ہے۔ جنہوں نے
ہمارے لئے اُس کی وضاحت اور تشریح کی ہے۔

بات کچھ ہے اور لوگ اُسے کچھ سمجھتے ہیں۔ جو شئے سمجھ بوجھ کی نہیں ہے اُسے سمجھ بوجھ کے تابع کرنا۔ اگر حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ لیکن اس طرح کہنے سے بالخصوص فائدہ کے نقصان ہوجاتا ہے۔ اِس لئے گیان اور اگیان دونوں کا ہی سلسلہ دنیا میں رائج اور چلا ہوا ہے۔ دونوں ہی اپنی اپنی چال چل رہے ہیں جو تقاضائے فطرت ہے۔

راجہ کے رگِ خیال کو حرکت ملی اور وہ ہر بات کو سوچنے سمجھنے لگا۔ اور اُس کی تہہ میں جانے کی کوشش میں لگا۔ جو یندہ یابندہ! متلاشی شاگرد اور مہربان اُستاد! ایسا میل قدرت میں صرف کبھی کبھی ملتا ہے۔ ورنہ دُنیا گورُو لکو رچیلوں سے بھری پڑی ہے۔ جسے دیکھئے یا تو گورُو ہے یا گورُو کا چیلا بھی کیسا! جو گورُو کا گورُو بننے کا خواہشمند ہے۔

۔ اگورُو اور بہراچیلا

دو نوں کھلیں کھیل نرالا اس کے نہ جینئو
نہ اُس کے چوٹی من کے نچلے بدھی کھوٹی
بدّھی سے جب چلے نہ کام
دو نوں مل کر لیں رام نام
رام نام لیں پھولیں تن میں
کوئی گھر سا جا اور کوئی بن میں
گھر بن سے جو نیارا کھیلے کوئی کوئی برلا جگ کو ٹھیلے
جگ کو ٹھیل کرے بسرام مکتی ارتھ نہ دھرم نہ کام

دوسرے دن راجہ نے کسان کو بلا بھیجا دونوں ملے۔

راجہ نے وہی زبان سے کہا۔ آتما گیان ہے۔

کسان۔ ہاں!

راجہ:۔ تب یہ گیان اور اگیان جس کا چرچا سنسار میں ہو رہا ہے۔ آتما سے ضرور مختلف ہوگا۔

کسان نے غور کی نظر سے راجا کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں ایک کی نگاہ دوسرے کے ابروؤں کے درمیان اور دوسرے کی نگاہ پہلے کے ابروؤں کے درمیان ٹھہری۔ کچھ دیر تک یہ حالت رہی پھر کسان نے ابروؤں کے درمیان سے اپنی توجہ ہٹائی اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔ مجھے کیوں یاد کیا ہے۔

راجہ:۔ یہ سبب بتا دیا گیا۔ اب آپ کیا پوچھتے ہو

کِسان:۔ تم نے کیا بتا دیا ہے اور میں نے کیا پُوچھا ہے۔

راجہ:۔ میں نے کہا۔ آتما گیان اور اگیان دونوں سے نیارا ہے۔ اور تم نے کہا۔ جس گیان پر دنیا ناز کر رہی ہے۔ وہ گیان گیان نہیں ہے۔ بلکہ آتما خود گیان ہے۔

کِسان:۔ اسے اور بھی زیادہ صاف کر دیجئے۔

راجہ:۔ وہ گیان سے بھی مختلف ہے اور اگیان سے بھی مختلف ہے اُن دونوں سے بھی اُس تک کسی کی بھی رسائی نہیں ہے۔ کہنے سُننے کے لئے جو چاہے کہہ سُن لیا جائے۔

دُنیا میں گیان مارگ کا سلسلہ بھی چلا ہوا ہے اور اگیان مارگ کا بھی سلسلہ چلا ہوا ہے۔ یہ دونوں چلتے ہیں۔ چلینگے اور چلتے رہیں گے۔

کِسان:۔ پھر رسائی کس کی ہے۔

راجہ:۔ جو رسیدہ ہے۔ وہ رسیدہ ہے۔ اُس کے لئے رسائی کا لفظ استعمال کرنا مُنہ چڑھانا ہے۔

کِسان:۔ آج تم کچھ مُذبذب اور بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔

راجہ:۔ آپ کے لئے یہ مُذبذب نہیں ہیں۔ اوروں کے لئے مُذبذب مہمل اور بے تکی ہوں۔ صاف صاف وہ کہلوائے جو سمجھتا بُوجھتا نہ ہو۔

کِسان ہنسا۔ فرض کر لو میں نہیں سمجھتا۔

تم فرض کر لیجئے۔ میں نہیں سمجھاتا۔

کسان:۔ یہ گو مگو کا مضمون ہو گیا۔

راجہ:۔ اس کے اظہار کے لئے گو مگو سے بہتر لفظ کوئی بھی موزوں تر نہیں ملتا۔

کسان:۔ بات تو سچ ہے۔

راجہ:۔ سچ ہے تو پھر اقرار ہو گا یا نہیں۔

کسان:۔ نہ اقرار ہے۔ نہ انکار ہے۔ نہ ہاں ہے نہ نہیں ہے۔ نہ اثبات نہ نفی ہے۔ نہ یہ ہے۔ نہ وہ ہے۔

راجہ:۔ ہاں اب آپ میرے ہم خیال۔ ہم رائے۔ ہم راز۔ اور ہم آہنگ ہو گئے۔ میں جو کہنا چاہتا تھا۔ وہی آپ نے بھی کہا۔

کسان:۔ تب ہی تو میں شروع سے لیکر آخر تک کہتا ہوا چلا آیا ہوں کہ یہ گیان وہ گیان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُس سے مختلف ہے اور کوئی اور ہی چیز ہے۔ اسی کی ستا (ہستی کے عکس) سے یہ دونوں ہستی والے ہو رہے ہیں۔

راجہ:۔ آپ گورُ دیو میں چیلا ہوں۔ آپ ہی اس کی وضاحت کیجئے۔

کسان:۔ پرندے کے دو پر رہتے ہیں۔ وہ دونوں کا سہارا لیئے ہوئے اُڑتا ہے۔ لیکن نہ اس پر کی سمت چلتا ہے اور نہ اس پر کی سمت چلتا ہے۔ بلکہ وہ درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے۔ دو آنکھیں ہیں۔ دو کان ہیں۔ دو ناک ہیں۔ دو زبان ہیں۔ دو چھاتیاں ہیں۔ دو کولے ہیں۔ دو پاؤں ہیں۔ دو پنجے ہیں۔ دو پیشانی ہیں۔ دو سر کی کھوپڑی

دائیں اور بائیں۔ مگر دیکھنے والا۔ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں دیکھتا ہے۔ نہ دائیں چلتا ہے اور نہ بائیں چلتا ہے۔ اُس کے حرکات اور سکنات بین بین ہیں۔ گو یہ منزل مقصود نہیں ہے۔ اس لئے جیسے پرندہ دونوں پروں سے اُڑتا ہے۔ اور اُن کو سمت کو منزل مُراد نہیں بناتا۔ اُسی طرح مقصد نہ گیان ہے۔ نہ اگیان ہے۔ بلکہ وہ ان کے علاوہ ہے۔ یہ اس کی وضاحت ہے۔

راجہ:۔ اب میں سمجھ گیا۔ یہی میں کہنا چاہتا تھا اور یہی میں آپ سے کہلوانا چاہتا تھا۔

کِسان:۔ تو میں نے اسے کہہ دیا۔

راجہ:۔ ابھی اور کچھ باقی ہے۔ جو ابھی تک کہنے میں نہیں آیا ہے۔

کِسان:۔ وہ کیا!

راجہ:۔ اگیانی ٹٹول ٹٹول کر کرم کرتے ہیں اور وہ تاریکی میں ہیں۔ گیانی گیان کے زعم میں آتما کو نہ جانتے ہوئے رات دن اُسی پر لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہ اندھیکار میں رہنے والے اگیانیوں سے بھی زیادہ گہرے اندھیرے میں ہیں۔

کِسان:۔ یہ بات میں نے پہلے ہی اچھی طرح سے تم کو سمجھا دی ہے اب دوبارہ شاید تم کسی اور غرض سے کہہ رہے ہو گے۔

راجہ:۔ ہاں غرض ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گیانی اور اگیانی دو ... ہیں۔ عام طور پر یہ ہر شخص کو پتا پتہ ہوتا ہوا ...

اپراپت ہے اور نہیں ملتا۔

کِسان:۔ پھر یہ کیسے ملتا ہے۔

راجہ نے تامل کے بعد جواب دیا۔ "جسے یہ آتما خود پسند کرتا ہے" اُسی کو ملتا ہے اور وہ پسندیدہ لوگ وہ ہوتے ہیں جو نہ گیان سے اسقدر تعلق رکھتے ہیں۔ اور نہ کرم سے نہ اُنھیں گیان سے نفرت ہے۔ اور نہ کرم سے نہ وہ گیان کے راغب ہیں۔ نہ کرم کے بلکہ دونوں کے بین بین اُن کی چال ہوتی ہے۔

کِسان:۔ مثلاً۔

راجہ:۔ مثلاً آپ۔

کِسان:۔ اور تم؟

راجہ:۔ ابھی کچھ کہا نہیں جاتا۔ فیصلہ کرنے میں ابھی پس و پیش ہے کیوں کہ آتما تو درکنار! میں نے اپنے آپ ہی کو اب تک اچھی طرح سے نہیں پہچانا۔ اس لئے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں پسندیدہ گروہ میں سے ہوں یا نہیں ہوں۔

کِسان:۔ تم ایسے ہو۔ جسے آتما اپنا گیان دینا چاہتا ہے کیونکہ تم نے اگیان اور گیان دونوں کی بابت فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ اُتم ساکشاتکار کے لئے کافی ذریعہ ہیں۔

کہا جاتا ہے فی الحقیقت گیان سے اور
کہا جاتا ہے فی الحقیقت اگیان سے

ہم نے دھیر پرشوں سے ایسا ہی سُنا ہے جنہوں نے ہمارے لیئے اس کی تشریح کی ہے۔

علم پردہ بن گیا وہ ہے حقیقت کا حجاب
جہل تاریکی میں ہے تاریکی ہے بے حد حساب
عالموں کو زعم ہے ہے بام پر یہ علم حق
ایک کرتا ہے سوال اور ایک دیتا ہے جواب
یہ سوالی اور جوابی ہوئے قیل اور قال میں
جاہلوں سے بڑھ کے یہ جاہل ہیں جاہل لاجواب
چشم بینا ہوتی ہے دیدار حق سے بے گماں
حق نہیں احمق کا ساتھی سمجھیں اس کو شیخ و شاب
کوئی اٹکا دین میں دینداری میں مغرور ہے
حق سے دین کو کیا ہے نسبت یہ نہیں راہ ثواب
فلسفی کو یہ ہے غرہ فلسفہ ہے راہ حق
بن گیا یہ فلسفہ جہل مرکب بے حساب
شاذ ملتا ہے پرندوں میں کبھی طائر ہما
اس طرح طالب حقیقت کا کوئی ہوگا جناب
رادھا سوامی نے کہا حق کی شکل تو آپ ہو
آپ آپ کو جان لے ہٹ جائے پردہ حجاب

شبد

میں نہیں جوگی نہ بھوگی میں نہیں گیانی بنا
دھیان کرتا کس کا کیوں میں بھول کر گیانی بنا
کرم ہے اگیان اور یہ گیان ہے اگیان رُوپ
کرم کرتا ہوں نہیں کرموں سے اگیانی بنا
جو بنا بگڑے گا وہ بنتے کو بگڑتے دیکھ لو
جیسا ہوں ویسا ہوں کب کرودھی بنا مانی بنا
گیان کی پوتھی پڑھی واچک بنا بہکا بہت
اُس سے کہدو اُس سے کیا پایا جو ابھمانی بنا
دھنیہ ستگورُ ورادھا سوامی گیان کا پرچہ دیا
بُوند ساگر سے ملا جب کیا بنا پانی بنا

گیارہواں منتر

گیان اگیان کے نتائج

(۱)

گیان اور اگیان

جو اس جوڑے کو ساتھ ساتھ جانتا ہے
اگیان سے موت پر غالب آجاتا ہے
اور اگیان سے وہ امرت کو جیت لیتا ہے (لافانیت)

راجہ:- گیان اور اگیان دونوں ہی دنیا میں موجود ہیں۔ بیوہار اور پرمارتھ دونوں میں ان کی شمولیت ہے اور جب یہ موجود ہیں تو پھر ان کا کوئی نہ کوئی مقصد بھی ہوگا۔

کسان:- تم نے ایسا کیوں سمجھا؟

راجہ:- کیونکہ سرشٹی میں کوئی شے، کوئی حالت، کوئی وقت اور کوئی وجود غرض سے خالی نظر نہیں آتا۔ جدھر نگاہ جاتی ہے۔ اُدھر غرض کا مسئلہ آگے آتا ہے۔ اس لیے کسی ایک شے کو بھی غیر ضروری قرار دینا غلطی فہمی میں داخل ہے۔ قدرت ایک زبردست منتظم ہے۔ یہ کسی غیر ضروری [illegible] میں نہیں رہنے دیتی۔ جب کوئی شے اپنا فرض ادا کر چکی

اور وہ بے کام ہوئی۔ قدرت اُسے چُھپا دیتی ہے اور اس پر خاک ڈالتی ہے۔ قدرت کی تمام طاقتیں حملہ آور ہو کر اُسے برباد کر دیتی ہیں۔ ہاتھی کی سونڈ کیوں لانبی ہے۔ کیوں کہ چھوٹی گردن اور موٹی ٹانگوں کی وجہ سے وہ پانی پینے کے لئے جُھک نہیں سکتا۔ یہی کیفیت اُونٹ شتر مرغ۔ سارس کی لانبی گردن بنانے کی ہے۔ اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہاں گیان اور اگیان دونوں ہی ضروری ہیں۔

کسان:۔ تم قدرت کے کاروبار میں کیا دیکھتے ہو۔

راجہ:۔ ارادہ۔ صنعتگیری۔ خوبصورتی۔ تناسب اور ان سب کی باہمی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ہاتھی۔ اُونٹ اور سارس کی مثال سے ظاہر کیا ہے۔

کسان:۔ اب تمہاری نظر بہت باریک بین اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ حقیقت میں تمہارا خیال صحیح ہے۔ اس کے صحیح ہونے میں نام کیلئے بھی شک و شُبہ نہیں ہے۔

راجہ:۔ جب یہ صحیح ہے تو گیان اور اگیان کی بابت بھی صحیح ہوگا۔ جب قدرت میں ایک شئے بھی غرض سے خالی نہیں ہے۔ تو ان کی بھی ضرور کوئی نہ کوئی غرض ہوگی۔

کسان:۔ میں تم سے متفق الرائے ہوں۔

راجہ:۔ پھر اس مسئلہ پر روشنی ڈالئے۔

کسان:۔ گیان ہے جاننا اور اگیان ہے نا جا[illegible]

لفظوں کا مطلب ہے۔ یہ دُنیا ضدین کا عالم یا دُوند کا استھان ہے۔ یہاں پر ہر چیز جوڑے جوڑے میں چلتی ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ جیسے مرد۔ عورت۔ زمین۔ آسمان۔ نُور سایہ۔ وصل نقل۔ سچ جھوٹ۔ رات دن۔ بستی ویران۔ غرض کہ تم جس شئے کا نام لو گے یا جس کی شکل قائم کرو گے۔ وہ جوڑے والی ہو جائے گی۔ بغیر جوڑے کے رچنا نہیں ہوتی۔ اور نہ کسی قسم کا کاروبار ہی چلتا ہے۔ پرش اور پرکرتی اسی رعایت کی وجہ سے ہیں۔ جو دراصل اثبات اور نفی کے دو ضدین پہلو ہیں۔ تم نے خود دائیں بائیں کے خیال سے جسم کے دو دو پہلو کے ایڑی سے لیکر چوٹی تک نام گنائے ہیں۔ ایڑی اور چوٹی یہ بھی اُسی نسبت سے ہیں۔ یہ تم کو ذہن نشین ہو گیا ہو گا۔ اب اور سوچو۔ اسی رعایت سے گیان اور اگیان کا جوڑا ہے۔ جوڑے سے خالی یہ بھی نہیں ہیں۔

راجہ:۔ یہ سچ ہے۔ پھر ان کی مُراد کیا ہے۔

کسان:۔ ان کی مُراد خیال اور افعال سے ہے۔ گیان خیال ہے اور اگیان اعمال ہے۔ ایک جاننا۔ بالیقین ہونا۔ عقیدہ رکھنا یا با ایمان ہونا ہے۔ اور دوسرا کرم کرنا۔ کاروبار میں مصرُوف رہنا ہے۔ ایک وشواش شکتی ہے۔ جو علم رکھتی ہے۔ دوسری کریا شکتی ہے۔ ایک علم ہے اور دُوسرا جہل ہے۔

راجہ:۔ یہ تو اُن کے معنی ہیں۔ مگر مُراد نہیں ہیں۔

کسان:۔ معنی مُراد پھر یہاں دو جوڑے ہیں۔ تم جو یہ بات کہتے ہو۔

جوڑا ہی جوڑا بناتے جا رہے ہو۔

راجہ:۔ معنی تو میں نے جان لئے۔ مگر مُراد سے خبر نہیں ہے۔

کسان:۔ اب مُراد یا مقصد کی صراحت کے جانب توجہ کرو۔ توجہ کا بھی جوڑا بے توجہی ہے۔ انسانی ظہور کے دو پہلو ہیں۔ ایک زندگی دوسری موت۔ اگیان سے موت پر غلبہ ملتا ہے۔ اور گیان سے لافانیت دائمیت۔ امرت یا امر پد حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ مُراد ہے اور جو شخص اس جوڑے کو ساتھ ساتھ سمجھتا ہے وہ اگیان سے موت کو جیت لیتا ہے۔ اور گیان سے لافانی اور امر ہو جاتا ہے۔ یہ اُن کی مُراد ہے۔

راجہ نے دل میں غور کیا۔ کسان نے مُراد کی اپنی دانست میں تشریح تو کر دی سُننے والا سُن بھی لیا۔ لیکن یہ تشریح نہ اُس کے ذہن نشین ہوئی اور نہ وہ اصلیت کو جذب ہی کر سکا۔ غور کرنے اور سوچنے کے لئے مجبور ہوا۔ کسان چپ ہو رہا۔ اور اُسے سوچنے کا موقع دیا۔ وہ تو دل ہی دل میں سوچتا رہا۔ یہ خاموشی سے اُس کے سوچنے کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر تک یہ حالت رہی۔ راجہ نے سر نہیں اُٹھایا۔ جب زیادہ دیر ہونے لگی۔ کسان چپکے سے اُٹھا اور اپنے گھر چلا گیا۔

(۲)

بات مشکل ہو مگر مشکل یہ مشکل بھی نہیں
ہوتی مشکل کرتے آساں اُسکے ہم قایل نہیں

سہل کے جانب نہیں رہتی نظر انساں کی
سیکھ لی مشکل پسندی جس کا وہ عامل نہیں
مشکلوں کو کر لیا ایجاد اپنے وہم سے
واہمہ میں جو پھنسا عالم نہیں کامل نہیں
آئے حرکت میں جو جذبہ دل کا مشکل ہو سہل
ہے مگر مشکل یہی آسان کا کوئی سایل نہیں
ابتدا کی انتہا ہے انتہا کی ابتدا
کیا ہے وہ جس شئے میں ضد اُسکا کبھی شامل نہیں
رادھا سوامی نے کہا مشکل تجو آسان ہو
جو لگا آسانی میں مشکل کوئی مشکل نہیں

سوچتے سوچتے وہ خیال میں اس قدر غرق اور محو ہو گیا۔ کہ خیال تک نہ رہا۔ اُسے خبر ہی نہیں رہی۔ کہ وہ اکیلا ہے۔ اور کسان اُسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ محویت اور استغراق نیند کی مشابہ حالت ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک میں تو اُسے اپنا اور اپنے خیالی اعمال اور عزیز و اقارب کی یاد رہتی ہے۔ دوسری میں ظاہرا اُسے نہ اپنی ہی یاد رہتی ہے اور نہ اوروں کی۔ کیا یہ جوگیوں کی سمادھی ہے۔ اسے نندرا سمادھی خواہ استغراق کا ... یہ جوگ کی معراج نہیں ہے۔ وہ کچھ اور ہے اور یہ کچھ اور ہے۔ ... جا سکتا ہے۔ جس حالت میں سمٹنا آجائے۔ اور

انسان سمتا کو دھارن کرنے وہ سمادھی ہے۔ سم کا دھارن کرنا ہی سمادھی کہلاتا ہے۔ چاہے اس کی کچھ ہی کیفیت کیوں نہ ہو۔ یہ سمادھی جاگرت اوستھا اور کھلی ہوئی آنکھوں کے وقت بھی ممکن ہے۔ اور جس شخص کی یہ حالت ہو کہ وہ ہر حال میں سمتا کو دھارن کر سکے۔ وہ سماہت چت یا سمادھی والا کہلایا جا سکتا ہے۔

راجہ کو نیند آگئی۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ اور خواب دیکھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اُس کا باپ اندرسین آگیا ہے۔ آتے ہی اُس نے آواز دی۔ بجرسین"! تو کس حال میں ہے"۔

بجرسین نے سر اُونچا کیا۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔

اندرسین۔ تو کیا سوچ رہا ہے میں بھی تو سُنوں۔

بجرسین:۔ میں موت اور لافانیت کے مسلہ پر غور کر رہا ہوں۔ موت کیا ہے اور لافانیت (اَمر پد) کیا ہے۔

اندرسین:۔ موت تبدیلی کی حالت ہے۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا موت ہے۔ اور اس خیال کو مضبوطی کے ساتھ دل میں قائم کر لینا کہ ہم کو فنا نہیں ہے۔ لافانیت ہے۔

بجرسین:۔ کیا دراصل موت مہمل اصطلاح ہے۔

اندرسین نہیں:۔ وہ صحیح واقع ہے۔ آدمی کی زندگی تبدیلی کے مرحلوں سے گزرتی رہتی ہے: بچپن ہے۔ جوانی ہے۔ بوڑھاپا ہے۔ بچپن کی موت جوانی۔ جوانی کی موت۔ بوڑھاپا۔ اور بوڑھاپے کی مو

بجر سین:۔ واہ! واہ! آپ نے اچھی طرح یہ مسئلہ میرے ذہن نشین کرا دیا۔ اب رہ گئی لافانیت اور دائمیت خواہ امر پد۔ اس کو کس طرح حاصل کیا جائے۔

اندر سین۔ لافانیت گیان سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنی ذات کو پہچان لینا۔ یہی تو لافانیت ہے۔ اور لافانیت کیا ہوگی۔

بجر سین:۔ جو شئے حاصل نہیں ہے۔ اُسے حاصل کیا جاتا ہے اور جو حاصل ہے اُسے کیا حاصل کیا جائے۔

اندر سین:۔ تو نادان ہوا ہے۔ جو حاصل اور نصیب ہے۔ اُسی کے حصول اور تحصیل سے غرض ہے۔ جو حاصل نہیں ہے۔ وہ کب حاصل ہوگی اور بالفرض اگر حاصل ہو گئی بھی تو وہ اُس پر ہمیشہ قابض نہ رہے گا۔ وہ تو کھونے والی ہے۔ کھو جائے گی اور کھو کر رہے گی۔

بجر سین:۔ پھر گیان کی اہمیت کہاں رہی۔

اندر سین:۔ گیان تاریکی سے باہر آنا۔ اگیان کے پردے پھاڑ دینا اور ان پردوں کے اندر اپنے رُوپ۔ اصلیت اور ذات کو دیکھ لیتا ہے یہی گیان ہے اور اس کے سوا گیان کیا ہوگا۔

بجر سین:۔ کیا میں در اصل لافانی ہوں۔

اندر سین:۔ وہ کونسا وقت تھا۔ جب تو نہ رہا ہو یا میں نہیں رہا ہوں تو سہی۔ کبھی تو کسی حالت میں تھا اور یہی میری بھی کیفیت ہے۔ پہلے تو میرے ان کے گربھ میں آیا۔ اب علیحدہ اور جدا شخصیت کی

صورت میں میری جگہ راج کر رہا ہے۔

بجر سین:۔ اس سے پہلے۔

اندر سین:۔ اس سے پہلے تو میرے باپ کے دماغ میں تھا۔ اس سے پہلے دادا اور پر دادا کے دماغ میں تھا۔ اور علیٰ ہذالقیاس یہ سلسلہ غیر منقطع ایسے ہی چلا آرہا ہے۔

بجر سین:۔ اور اس کے بعد۔

اندر سین:۔ اس کے بعد تو اپنی اولاد میں زندہ رہے گا اور امر ہو گیگا۔ جیسے میں تجھ میں زندہ ہوں اور امر پد کا پھل بھوگ رہا ہوں۔ سوچ لے۔ تو لافانی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی وقت ایسا کبھی نہ آئے گا۔ جب تو نہ ہو گا اور نہ رہے گا۔ اور اندر سین نے یہ نغمہ گایا۔

نظم

کبھی مٹی میں رہ کر آپ ہم مٹی کی صورت میں
اُٹھے اُوپر تو نخل و برگ و بار و گل کی رنگت میں
کبھی حیوان بنے حیوانیت کی شکل میں آئے
کبھی انسان ہوئے قدرت میں ہم اصلی شرافت میں
ذرا اُونچے چڑھے ملکوت کے طبقہ میں آپہونچے
ملک ہیں اور دیوتا ہیں عشق اور [illegible]

بارہواں منتر

اثبات اور نفی

گھُپ اندھیرے میں وہ داخل ہوتے ہیں
جو اسمبھوتی (نہ ہونے) کی اُپاسنا کرتے ہیں
اُن میں سے زیادہ اندھیرے میں وہ ہیں
جو اسمبھوتی (ہونے) میں خوش رہتے ہیں

راجہ کو بے حد و حساب خوشی تھی۔ صبح کو کسان خود آیا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی دن اُسے استغراق کی حالت میں چھوڑ گیا تھا۔ کیا ہُوا! اُسے خبر نہیں تھی۔ اپنی تعلیم کے نتیجہ کے دیکھنے کا خیال تھا۔ یہ خیال ہر شخص کو ہوتا ہے۔ کون آدمی اپنے کرم کے پھل کو دیکھنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ خواہش سب میں ہے اور سب کو ہوتی ہے۔ ہاں گیانی اور اگیانی کی خواہشوں میں فرق ضرور ہوتا ہے

راجہ۔ پاؤں پر گر پڑا۔ کسان اُسے آشیرواد دیا اور گلے سے لگایا۔ کسان نے بے ساختہ اُسے کہا۔ تجھ میں آج آتم گیانیوں کے خوشی نہایت نمایاں شکل میں نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جس معمہ مقابلہ وہ حل ہو گیا ہے۔ یا اُس کے حل کی کنجی ہاتھ آگئی ہے

راجہ بولا:۔ دونوں ہی باتیں ہوگئیں۔

کسان:۔ کیا میں بھی سن سکتا ہوں۔

راجہ:۔ گیان اور گیان کی ماہیت مجھ میں آگئی۔ اب مجھے کسی قسم کے شکوک نہ ستا سکیں گے۔

کسان:۔ اور بھی۔

راجہ:۔ وہ بھی آپ کی مبارک ذات ہے۔

جا گھو جت برہما تھکے سُر نر منی دیوا
کہیں کبیر سُن سادھوا کر ستگورو سیوا
یہ تن بِش کی بیلری گورُو امرت کی کھان
سیس دیے جو گورُو ملیں تو بھی سستا جان
گورُو ملے سیتل بھیا مٹا موہ اہنکار
ستگورُ باہر ملے درسا گھور اندھیار
گھٹ کا پردہ کھل گیا ستگور کے اُپکار
کوٹن ربی ششی جوت ہے تارے لاکھ ہزار
گیان نہ گورُو بن پائے گیان گورُو آدھین
گورُو سورج کے روپ ہیں جیو موڑھ متی ہین

کسان:۔ اس کا عالم اسکول میں ہر وقت ام
کوئی بات غیر معلوم نہیں ہے

راجہ :- امکان اور ممکن کا تو میں قایل ہوں۔ لیکن غیر امکان اور غیر ممکن کو امر محال سمجھتا ہوں۔

کسان :- امکان کا قایل ہونا تو اچھی بات ہے لیکن اُس کے پیچھے پڑنا۔ اور اُس کا ہی ہو کر رہنا بھرم۔ دہوکا۔ اور غلطی ہے۔ آدمی ہمیشہ کرم میں لگا رہے۔ یہ اُس کے اختیار میں ہے۔ لیکن ہونے یا نہ ہونے کے خیال کو یا امکان کی اُمید اور غیر امکان کے خوف کو دل میں جگہ نہ دے۔

راجہ :- غیر ممکن کی طرف توجہ کرنا تو نادانی ہے کیوں کہ غیر ممکن کی ہستی نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کے پیچھے پڑنے میں کیا ہرج ہے۔

کسان :- سمبھوتی اور اسمبھوتی دونوں نقص سے خالی نہیں۔ سمبھوتی ہونے اور اسمبھوتی نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے میں یہ ہو جاؤں اور وہ کبھی نہ ہوں۔ یہ سب دل کے وسوسے اور تخمینے ہیں۔ ہونا اور نہ ہونا کیسا۔ جو ہے وہ ہے۔ کرم کرتے رہو۔ سوچتے رہو۔ کیا یہ کافی نہیں ہے

راجہ :- آپ کے خیال میں سم بھاؤ یا ایک حالت میں رہنے کی ضرورت ہے۔

کسان :- بعض لوگ اس طرح کی خواہش میں مبتلا رہتے ہیں۔ مجھے دولت مند باعزت، باآبرو۔ صاحب اختیار ہونا ہے۔ اور ایسا ہی ہوں گا۔ اس قسم کی خواہش کے اندر اُمید اور آرزو کے مسلسل سلسلہ کی جڑ چھپی ہوئی ہے اور وہ ان کے دام میں بری طرح پھنسے رہتے ہیں۔ اسکا یہ غور نہیں کرتے اور سیلاب میں بہتے ہوئے جاتے ہیں۔